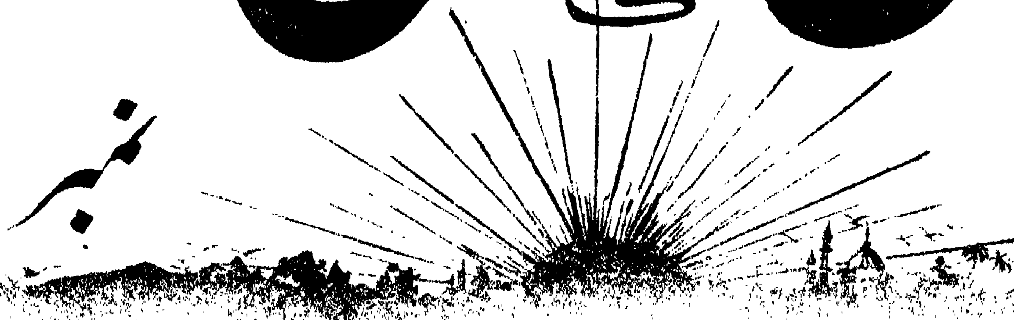
حیدرآباد دکن

روزنامہ صبح دکن کا برار نمبر





قسم اول (۱۲)

مُدیرین

احمد عارف

علی اشرف

قسم دوم (۶/)

روزنامہ صبح دکن

فہرست مضامین

تصاویر

(۱) حضور پرنور اعلیحضرت بندگانعالی (۲) اعلیحضرت نواب ناصرالدولہ بہادر
(۳) اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخاں بہادر (۴) سرسالار جنگ (۵) جنرل فریزر (ریذیڈنٹ)
(۶) کرنل ڈیوڈسن (رزیڈنٹ) (۷) نواب معین الملک سر علی امام (۸) نواب حیدر نواز جنگ سر اکبر حیدری

افتتاحیہ

برار اور ہم

برار کا زرخیز خطہ حیدرآباد کے قبضہ سے نکلکر ایک عرصہ ہوگیا' فوجی اخراجات کی کفالت کے بہانہ سے جب برار کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تو اس وقت بھی حیدرآباد کے تاجدار اس جبری مطالبہ سے انتہا درجہ ناخوش تھے لیکن ہندوستان کی مرکزی حکومت ملک گیری کے ہوس میں اس قدر سخت ہوگئی تھی کہ اس نے حیدرآباد کے تمام احسانات کو نہ صرف بھلا دیا بلکہ اس کے بعض اچھے علاقوں کو کسی نہ کسی حیلہ سے واپس لے لینے کی کوشش کرنے لگی حکومت ہند کے ان ارادوں کے سامنے حیدرآباد بے بس تھا' برار اس کے قبضے سے نکل گیا مگر استرداد کا مطالبہ برابر قایم رہا۔ سر سالار جنگ نے اپنے زمانہ میں جو آئینی جدوجہد فرمائی تھی' اس کے بعد اس مسئلہ کے متعلق حیدرآباد بالکل خاموش نظر آتا ہے' یہ طویل سکوت برطانوی حکومت اور حکومت ہند کی مسلسل بے انصافیوں اور نارواطرزعمل کا نتیجہ تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برار کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے مگر حضور پرنور اعلیحضرت بندگانعالی نے جب اس مسئلہ کو چھیڑا تو ارباب حکومت پریشان سے ہوگئے نواب معید الملک سر علی امام انگلستان بھیجے گئے تاکہ حضرت اقدس واعلیٰ کی وکالت کریں حیدرآباد کے اس مطالبہ کے جواب میں وایسرائے نے جس پالیسی کا اظہار فرمایا اس سے ہندوستان کے حلقوں میں ناخوشگوار اثرات پیدا ہوے۔ تاجدار دکن اور وایسرائے ہند کی اس مراسلت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ جن آئینی بنیادوں پر حضور پرنور نے اپنا مطالبہ آگے بڑھایا اسے حکومت کے نمایندے نے نہایت ہی غیر آئینی اور بے انصافی سے ختم کردیا۔

گول میز کانفرنس کے آغاز کے ساتھ ہی ریاستوں کی آیندہ حیثیت کا سوال زیر بحث آیا تو برار کے مستقبل کے متعلق پھر چہ میگوئیاں ہونے لگیں مگر اب کی دفعہ برطانوی حکومت نے سنجیدگی کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور منصفانہ اسپرٹ میں حیدرآباد کے مطالبہ کو سننے کی کوشش کی اور یقین کیا جاتا ہے کہ جب ہندوستان میں مزید گفت وشنید شروع ہوگی تو برار کا مسئلہ حیدرآباد کے حق میں طے کردیا جائے گا۔ ہم حکومت کے اس رجحان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ کم از کم اب وہ انصاف کرکے حیدرآباد کے مطالبہ کو پورا کرے تاکہ اس کے متعلق جو ناگوار خیالات پھیلتے جارہے ہیں وہ اس دور میں باقی نہ رہیں۔

ریاسی تغیرات کے اس دور میں جب برار کے مستقبل کے تعین کا سوال پیدا ہوا ہے تو حکومت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے علاوہ ایک تیسرا فریق بھی پیدا ہوگیا ہے جو اس مسئلہ کے تصفیہ میں خود کو خواہ مخواہ شریک سمجھتا ہے۔ یہ فریق ثالث برار اور بیرون برار کے بعض ایسے افراد پر مشتمل ہے جو اس خطہ کے مفاد کو سمجھنے کی تو زیادہ پروا نہیں کرتا مگر اس کی وکالت کا دعویٰ کرتا ہے استرداد برار کی مخالفت میں اب تک جو دلائل و براہین پیش کیے جاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ رہا ہے کہ مملکت آصفیہ کے خلاف پروپگنڈا کیا جاے' ان دلائل کی رد میں اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے جب مخالفت کی خاطر مخالفت کیجاے تو اس کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ مخالفین کو نظر انداز کردیا جاے مگر پھر بھی یہاں چند باتیں عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

استرداد برار کے سلسلے میں راے عامہ کے استصواب کا سوال پیدا کرنا ایک بے اصولی ہے کیونکہ جب حیدرآباد کے تعلقات تاج سے ایسے اصولوں پر مبنی ہیں جو آزادی کے اس دور میں بھی نظر انداز نہیں کیے جاسکتے تو کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ ایسے بے تعلق مسائل کے بارے میں اپنی کوئی راے دے' برار کے مسئلہ کی حیثیت یوں بھی مختلف ہے' حکومت نے اسے پٹہ پر حاصل کیا تھا جسے اب وہ واپس کررہی ہے۔ اس صورت میں راے عامہ کا رجحان معلوم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

برار یوں کے بعض نام نہاد ہواخواہ جو استرداد کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں یہ نہیں جانتے کہ اگر خدانخواستہ برار مملکت آصفیہ کو واپس نہ ہوا تو وہ برار اس سے زیادہ نقصان میں رہے گا۔ برطانوی حکومت کے نمایندوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اس علاقہ کو جو دوامی پٹہ پر لیا گیا ہے شہنشاہی حقوق کے تحت ایک الگ نظم ونسق کے تحت رکھیں گو یا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہندوستان کو اصلاحات کی جدید قسط ملنے کے بعد بھی وہ خود مختاری سے محروم رہیگا حالانکہ اگر وہ حیدرآباد میں شریک ہوجائے تو اسے بہت زیادہ خودمختاری مل سکتی ہے جب صورت حال یہ ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ برار کے ہواخواہ حیدرآباد کے مطالبہ کی تائید کریں مگر اصل بات یہ ہے کہ مخالفین استرداد کے پیش نظر اسوقت برار کے مفاد نہیں بلکہ اپنے مفاد ہیں اور اسی وجہ سے اس دردمندی اور ہواخواہی کا اظہار ہورہا ہے۔

برار کے مستقبل کے متعلق برادران برار اعلیحضرت بندگان عالی کے اس فرمان خسروی سے مطمئن ہوسکتے ہیں جو سنہ ۱۹۲۲ء میں شایع ہوا تھا اور جس میں برار کی آیندہ حیثیت واضح طور پر متعین کردیگئی ہے اس سلسلہ میں مخالف جماعت کا یہ اعتراض بڑا دلچسپ ہے کہ حیدرآباد جب خود ذمہ دارانہ طرز حکومت نہیں رکھتا تو وہ برار کو ایسا دستور دینا کس طرح گوارا کریگا۔

تاجدار دکن کی جمہور نوازی اور حیدرآباد کی عالی حوصلگی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیے کہ وہ اپنے ایک علاقہ کو جو اس کا زیر نگیں ہو ضرورت سے زیادہ خودمختاری عطا کرتا ہے مہذب ممالک اپنے زیر انتداب علاقوں کی آبادی کو خود آزاد ہوتے ہوے بھی معمولی قسم کی آزادی دینے تیار نہیں ہوتے مگر حیدرآباد خود پابند رہ کر اپنے ایک علاقہ کو خودمختار دیکھنا پسند کرتا ہے' اگر اس کے اس پسندیدہ طرز عمل کو بھی شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا جاے تو ہمیں مخالفین کی اس ہٹ دھرمی پر افسوس ہے۔

بہرحال اس پروپگنڈے سے جو اس وقت سی۔ پی والوں نے پھیلا رکھا ہے برار یوں کو کسی طرح متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ ان کی حمایت صرف خودغرضی کے تحت ہورہی ہے' برار کے متعلق مملکت آصفیہ کے نمایندوں اور حکومت ہند کے نمایندوں میں جو گفت وشنید عنقریب شروع ہونے والی ہے۔ امید ہے کہ کامیابی پر ختم ہوگی۔ دعا ہے کہ برار کا یہ علاقہ جس پر ہمیں پورے حقوق حاصل ہیں' ہمیں مل جاے اور برار اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے زیر سایہ ترقی اور خوشحالی کی طرف قدم اٹھاتا رہے۔

علی اشرف

غرہ شوال سنہ ۱۳۵۱ ہجری

ہز اکزالٹیڈ ہائی نس لفٹننٹ جنرل آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ
اعلحضرت میر عثمان علیخاں بہادر تاجدار دولت آصفیہ



(سنہ ۱۸۸۰ع سے ۱۹۲۲ع تک ایک طویل سکوت کے بعد حضور پر نور نے سنہ ۲۳ع میں) استرداد برار کا پرزور مطالبہ فرمایا اور اس سلسلہ میں گفت و شنید کی موجودہ ترقی آپ ہی کی مساعی کا نتیجہ ہے

براریوں کی ذمہ دارانہ حکومت کے متعلق فرمان خسروی

خسرو دکن حضور پرنور اعلیحضرت بندگان عالی نے ۱۹۲۳ء میں برار کے آیندہ دستور کے متعلق جو اعلان فرمایا تھا وہ حسب ذیل ہے:۔

"میں اس لیے بے چین ہوں کہ میری برار کی رعایا اپنی قسمتوں کی صورت گری اپنے ہاتھوں میں لے لے اور اسی بنا پر میں استرداد صوبہ کے بعد انھیں نظم و نسق صوبہ میں ایسے وسیع پیانہ میں اشتراک عمل کی اجازت دینا چاہتا ہوں جو برطانوی ہند میں اس وقت کہیں کی رعایا کو حاصل نہیں ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے صوبہ کو واپس لینے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں "وثیقہ استرداد" یا کسی اور ریاستی دستاویز میں جو لکھی جائے گی براریوں کو ایک ایسی ذمہ دار حکومت کے دستور کے عطا کیے جانے کے متعلق معین دفعات درج کروں گا جس کے رو سے ایک آئینی گورنر کے تحت جو میری جانب سے میرے نمائندے کی حیثیت سے مقرر ہو گا معاملات داخلہ اور نظم و نسق میں کامل انتظامی اختیارات کے لیے اقتدار عامہ مطلقہ حاصل ہو جائے گا۔ باستثناء ان معاملات کے جو حکومت برطانیہ اور میرے محکمہ افواج سے متعلق ہوں۔"

مکتوب شاہانہ موسومہ لارڈ ریڈنگ

۲۵ اکٹوبر ۱۹۲۳ء ف ۳۲

نذرِ عید

از علامہ عبد اللہ عمادی رکن دار الترجمہ

عید است و گلِ سعادتِ عید نثار ‖ بر حضرتِ آصفِ سلیمان آثار

تا عید دگر نثار راهش باشد ‖ مسلم پتن و کهنڈ و کرنول و برار

ای روی هلال عید خورسند از تو ‖ ایام صیام میمنت یابند از تو

میراث تو هند تا به توران باشد ‖ دهلی و دکن از تو سمرقند از تو

ایران به سیاستِ رضاخان نازد ‖ کابل به توانائیِ افغان نازد

کونین که نازمی کند بر اسلام ‖ اسلام به عثمان علی خان نازد

ای بندهٔ فرمان تو احرار برار ‖ وی فدیه و قربان تو ابرار برار

این کار برایت مبارک بادا ‖ ای کار برار خلق درکار برار

ASHRAF ALI.

صوبہ برار کے تاریخی جغرافی معاشی اور سیاسی حالات

(راز)

مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی

تاریخ

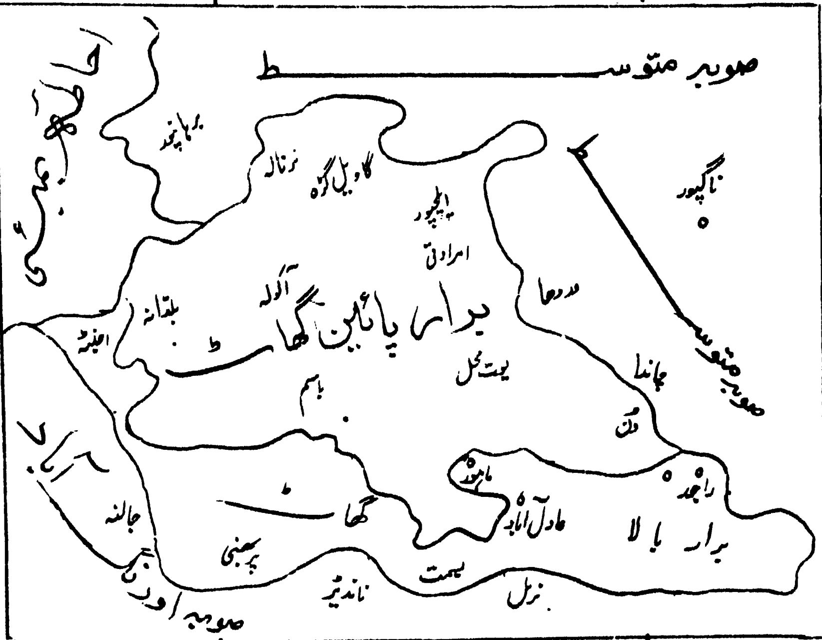
وسط ہند کا وہ وسیع علاقہ جو نربدا سے گوداوری اور گونڈوانہ سے اجنٹہ کے پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے قدیم زمانہ میں ودربھا کہلاتا تھا۔ اور اب برار کے نام سے موسوم ہے۔ اس سرزمین کو سہیادری پربت نے (جو کوہستان اجنٹہ کے نام سے مشہور ہے) دو صوبوں میں تقسیم کردیا ہے۔ شمالی حصہ برار پائیں گھاٹ کہلاتا ہے اور جنوبی حصہ برار بالاگھاٹ۔ بہمنی سلطنت میں یہ دونوں علاقے ایک ہی طرفدار (صوبہ دار) کے زیر حکم تھے۔ خواجہ محمود گاوان نے اپنے عہد وزارت میں اس کو دو صوبوں میں تقسیم کردیا جن میں سے ایک کا دار الحکومت گاویل گڑھ تھا اور دوسرے کا ماہور لیکن یہ تقسیم چند سال سے زیادہ مدت تک باقی نہ رہی خواجہ محمود گاوان کے قتل کے بعد جب سلطنت بہمنیہ پارہ پارہ ہوئی تو برار پائیں گھاٹ کے علاقہ میں ایک مستقل ریاست "عماد شاہیہ" کے نام سے قایم ہوگئی جس نے برار بالاگھاٹ کو بھی اپنے حدود و اقتدار میں داخل کرلیا۔ ۸۰ سال تک برار ایک خود مختار علاقہ رہا اس کے بعد احمد نگر کی "نظام شاہی" ریاست نے اس کو فتح کیا۔ مگر ۲۰ سال بعد اس کو مغلوں کے لیے یہ علاقہ خالی کرنا پڑا، اور سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں پورا صوبہ برار سلطنت مغلیہ کے مقبوضات میں شامل ہوگیا۔

مغلوں کا عہد

مغلوں کی سلطنت میں بالا گھاٹ اور پائیں گھاٹ دونوں ایک صوبہ دار کے ماتحت تھے اور دو جداگانہ قسمتوں میں تقسیم کردئے گئے تھے بالاگھاٹ کی قسمت پانچ سرکاروں (اضلاع) اور پائیں گھاٹ کی قسمت سات سرکاروں پر مشتمل تھی۔ لیکن یہ تقسیم اتنی واضح نہ تھی جتنی آج کل ہے۔ بالاگھاٹ کے بہت سے محالات (تعلقے) پائیں گھاٹ میں شامل تھے اور پائیں گھاٹ کے بہت سے محالات بالاگھاٹ کی سرکاروں میں آگئے تھے۔ قطعی طور پر یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ آج کل پائیں گھاٹ کا جو علاقہ انگریزی انتظام میں ہے اس کی آمدنی اس زمانہ میں کیا تھی۔

سلطنت مغلیہ کے آخری عہد اور آصفجاہی دور کے مورخین کے بیانات سے جو کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ صوبہ برار کی تخمیناً سوا کروڑ روپیہ سالانہ آمدنی میں سے پائیں گھاٹ کا حصہ ۷۰ لاکھ سے کم نہ تھا۔

نقشہ برار بالاگھاٹ و برار پائیں گھاٹ



آصفی عہد

آصفجاہ اول نے جب دکن میں اپنی مستقل ریاست قائم کی تو برار کے یہ دونوں حصے ان کے زیر حکم آگئے لیکن اسی زمانہ میں مرہٹوں کی ایک نئی ریاست ناگپور میں قایم ہوئی جو "بھونسلا خاندان" کے نام سے مشہور ہے اس ریاست نے چوتھ وصول کرنے کے بہانے سے برار پائیں گھاٹ پر پیہم حملے کرکے بہت کچھ اپنا عمل دخل کرلیا اور نصف سے زیادہ آمدنی کی مالک بن گئی۔ نواب میر نظام علیخاں نے اپنے ابتدائی عہد میں پائیں گھاٹ کے ان علاقوں کو مرہٹوں کے تسلط سے نکالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ پچاس ساٹھ برس تک یہی کیفیت رہی کہ پائیں گھاٹ پر برائے نام،

دولت آصفیہ کا قبضہ تھا اور عملاً مرہٹے مسلط تھے
۰۴-۱۸۰۳ء میں انگریزی حکومت اور
دولت آصفیہ نے بالاتفاق مرہٹوں سے جنگ
کرکے ان کو شکست دی اور مفتوحہ علاقوں کو آپس
میں تقسیم کرلیا۔ اس تقسیم میں برار پائین گھاٹ
کلی طور پر دولت آصفیہ کے زیر تصرف آگیا اور
اس علاقہ پر مرہٹوں کا عمل دخل باقی نہ رہا۔
لیکن ایک طرف تو اس کی واپسی ایسی حالت میں
ہوئی تھی کہ مرہٹے اس کو بری طرح پامال کرچکے
تھے، دوسری طرف خود دولت آصفیہ کی انتظامی
حالت اس زمانہ میں کافی خراب ہوچکی تھی۔ اور
اس کے بعد مسلسل پچاس برس تک ایسی خراب رہی
کہ شاید ہی کسی حکومت کی حالت اس سے زیادہ
خراب ہوسکتی ہو۔ اس لیے برار پائین گھاٹ
کی قدرتی دولت و ثروت بجائے اس کے کہ
اس ریاست کے لیے فایدہ مند ہوتی۔ الٹی
اور موجب نقصان ہوگئی

تفویض برار کے اسباب

یہاں اس دردناک تاریخ کے دہرانے کا
موقع نہیں ہے جو نواب میر نظام علی خاں کی وفات
سے لیکر نواب ناصر الدولہ کے آخری عہد تک
کے حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس
زمانہ میں روز افزوں بدنظمی کی بدولت اس
وسیع سلطنت کی آمدنی گھٹتے گھٹتے ایک کروڑ
۲۲ لاکھ تک پہونچ گئی تھی اور خرچ ڈیڑھ کروڑ
روپیہ سالانہ سے کم نہ تھا۔ اس طرح سالہا سال
تک ریاست پچیس تیس لاکھ روپیہ سالانہ کا خسارہ
برداشت کرتی رہی اور اس خسارہ کی تلافی
کے لیے قرض لے لے کر زمینیں کفالت میں دیتی
رہی۔ منجملہ ان مصارف کے جن کا بار اس ریاست
کی کمر توڑے دے رہا تھا۔ ایک بہت بڑا مصرف
کنٹیجنٹ کا تھا۔ یہ فوج نظام کے ملک میں انکی
اجازت کے بغیر ان کی مرضی کے خلاف اور
معاہدات کے الفاظ اور ان کے منشاء سے تجاوز
کرکے رکھی گئی تھی۔ اس کے انتظام میں نظام کی
حکومت کا ذرہ برابر بھی دخل نہ تھا۔ وہ اپنے
اختیار سے ایک سپاہی کو بھی حرکت دینے کی
مجاز نہ تھی۔ اس کا کام صرف یہ تھا کہ تقریباً
۳۶ لاکھ روپیہ سالانہ اس کے مصارف کے لیے
ادا کرے اور جب کسی سرکش زمیندار یا باغی تعلقہ

خلاف اس کو فوج کشی کی ضرورت ہو تو خود اپنی
ملازم فوج کی خدمات حاصل کرنے کے لیے
برطانوی رزیڈنٹ کے سامنے درخواست پیش
کرے جسے قبول یا رد کردینا رزیڈنٹ کی اختیاری
بات تھی حالانکہ ایسی ہی ضرورتوں کے موقع پر
انگریزی حکومت سے اس قسم کی فوجی امداد
حاصل کرنے کا حق معاہدات کی رو سے
نظام کو پہلے ہی حاصل تھا اور اس کی حق کی
قیمت وہ پہلے ہی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ کے
اضلاع دیکر خرید چکے تھے۔

بہر حال اس فوج کے مصارف جب تک
قرض وام کرکے دئے جاسکتے تھے دئے گئے
پھر نوبت یہاں تک پہونچی کہ سرکار کو قرض ملنا
بھی مشکل ہوگیا۔ اور کنٹیجنٹ کی تنخواہیں بقایا
میں رہنے لگیں۔ لیکن حکومت ہند کو اس کا
بڑا خیال تھا کہ اس فوج کی تنخواہیں ہمیشہ
بروقت ادا ہوتی رہیں، لہذا اس نے
رزیڈنٹ کو ہدایت کی کہ جب نظام کی حکومت
سے روپیہ وصول نہ ہو تو رزیڈنسی کے خزانہ
سے کنٹیجنٹ کی تنخواہیں ادا کی جائیں۔ اور اس
رقم کو نظام کے حساب میں قرض کے طور پر
لکھ لیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت
ہند کو اس کا بھی احساس تھا کہ اس طرح
زیادہ مدت تک کام نہیں چلایا جاسکتا لہذا
اس کو یہ بھی فکر تھی کہ کنٹیجنٹ کے مصارف کا
مستقل انتظام کرنے کے لیے نظام سے چند
اضلاع لے لیے جائیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم
ہے یہ خیال سب سے پہلے لارڈ آک لینڈ کو
آیا تھا جس نے سنہ ۱۸۳۷ء میں حیدرآباد کے
رزیڈنٹ کرنل اسٹوارٹ کو ہدایت کی تھی
کہ حیدرآباد کے معاملات میں سب سے زیادہ
اہم کنٹیجنٹ کے بقایا اور اس کی تنخواہوں
کے باضابطہ اجرا کا معاملہ ہے اس غرض کے
لیے کوئی ایسا مناسب موقع تلاش کرنا چاہیئے
کہ نظام سے مستقل طور پر چند اضلاع حاصل
کیئے جاسکیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ کئی سال
تک ایسا موقع ہاتھ نہ آسکا۔ سنہ ۱۸۴۳ء کی ابتدا
میں مہاراجہ چندولال نے خود یہ درخواست
کی کہ برطانوی حکومت سرکار نظام کو ۷۵ لاکھ
روپیہ قرض دے اور اس کے عوض ۴ لاکھ ۵۰ ہزار
روپیہ سالانہ کی آمدنی کا علاقہ برار۔ ٹیر یا پاتھری

کے اضلاع میں سے لے لے۔ مگر اس زمانہ میں جنرل
فریزر اور مہاراجہ کے تعلقات خراب تھے۔ نیز
ساڑھے چار لاکھ کا علاقہ ان اہم اغراض کے لیے
کافی نہ تھا۔ جو برطانوی حکومت کے پیش نظر تھیں
اس لیے یہ معاملہ طے نہ ہوسکا۔ بہر حال، وہ مناسب
موقع جس کا انتظار تھا آک لینڈ، ایلن برو اور
ہارڈنگ میں سے کسی کو حاصل نہ ہوسکا۔

تفویض کیلئے برار کا انتخاب کن وجوہ سے ہوا۔

آخرکار لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہوکر آیا اور اس نے
اودھ کے ساتھ
ساتھ حیدرآباد کے معاملات کی طرف بھی خاص طور پر
توجہ کی اس کے زمانہ میں جب نظام کے ذمہ برٹش
گورنمنٹ کا تقریباً ۷۰ لاکھ روپیہ ”واجب الادا“
ہوگیا تو اس نے ”اس قرض“ کی بازیافت اور
کنٹیجنٹ کے مصارف کے لیے نظام سے ان کے
ملک کا کچھ حصہ لے لینے کا قطعی فیصلہ کرلیا۔
اور رزیڈنٹ کو ہدایت کی کہ اس غرض کے لیے
چند اضلاع کا انتخاب کرے۔ اس پر ۱۹ دسمبر
سنہ ۱۸۴۹ء کے خط میں جنرل فریزر نے اسکو لکھا:۔

”برار پائین گھاٹ تجارتی اور زرعی دونوں
حیثیات سے نظام کی مملکت کا سب سے
زیادہ زرخیز اور نفع بخش حصہ ہے اور
میں نے کبھی نہیں سنا کہ اس کی مالگزاری
کے وصول کرنے میں کوئی دقت پیش
آئی ہو۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ روئی
کی پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان
کا کوئی خطہ اس پر تفوق نہیں رکھتا اور
اگر یہ علاقہ ہمارے انتظام میں آجائے
تو اس چیز کی پیداوار اور برآمد اس سے بہت
زیادہ ہوجائے گی جتنی اب تک رہی ہے۔“

اس کے بعد سنہ ۱۸۵۱ء میں فریزر نے زیادہ سنجیدگی
کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا اور پوری تحقیق کے
بعد یہ تجویز پیش کی کہ ۳۵ لاکھ سالانہ کی آمدنی کا
تیقن کرنے کے لیے نہ صرف برار پائین گھاٹ کا
لے لینا ضروری ہے بلکہ اورنگ آباد، بیڑ، بیٹر،
پربھنی، نلدرگ، گلبرگہ، رائچور، مدگل، گجیندرگڑھ اور آنی گونڈی
کے علاقے بھی لینے چاہئیں۔ جو دولت آصفیہ کے
تمام شمالی اور مغربی اضلاع پر مشتمل ہیں۔ اس کے متعلق
۴ فروری سنہ ۱۸۵۱ء کے خط میں فریزر نے لکھا کہ:۔

جہاں تک جغرافی موقف کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بہتر کسی اور علاقے کا انتخاب کیا جاسکتا ہے ...... برار پائیں گھاٹ بلا استثناء نظام کی مملکت کا سب سے زرخیز اور مالدار حصہ ہے اور دوآبہ رائچور کا نمبر اس معاملہ میں برار کے بعد دوسرا ہے۔ اگر ریلوے اور انجینوں کی پیداوار کو ترقی دیجائے تو یہ دونوں علاقے مالگزاری اور جنگی آمدنی کے لحاظ سے بہت کچھ ترقی کر سکتے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی فریزر نے کیپٹن میڈوز ٹیلر کی بھی ایک اہم رپورٹ حکومت ہند کو بھیجی جس میں اس مسئلہ کے خاص خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اگر اس رپورٹ کے چند فقرے یہاں نقل کئے جائیں تو یقیناً خالی از دلچسپی نہ ہوں گے:۔

نظام سے کسی علاقے کا مطالبہ کرتے وقت میں اس امر کا لحاظ کرنا ضروری بلکہ ناگزیر سمجھتا ہوں کہ مطالبہ ایسے ہی علاقوں کا کیا جائے جو باسانی انگریزی صوبوں میں ضم ہوسکتے ہوں۔ کیونکہ یہ خیال کرنا ممکن نہیں ہے کہ جب نظام کی حکومت اپنے پورے علاقوں پر قابض رہنے کے باوجود اپنے خارجی اور داخلی واجبات ادا کرنے پر قادر نہ ہوسکی تو اپنے کسی علاقے کو برٹش گورنمنٹ کے پاس مکفول کرنے یا کسی علاقے پر برٹش گورنمنٹ کے قابض ہوجانے کے بعد وہ آئندہ بھی اس کو چھڑانے میں کامیاب ہوسکے گی .. .. ان وجوہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ نظام آئندہ کبھی اس علاقہ کو واگزاشت کرانے کے قابل نہ ہوسکیں گے جو برٹش گورنمنٹ ان کی خواہ دکھاوے کے لیے یہ انتظام محض "عارضی تفویض" ہی کیوں نہ ہو سیاسی اسباب کی بنا پر چاہے اس قسم کی تفویض کو فی الحال "عارضی تفویض" ہی کے نام سے موسوم کردیا جائے مگر اغلب ہے کہ یہ آخر کار دوامی ثابت ہوگی لہذا ابتدا ہی سے تفویض کے معاملہ کو اس روشنی میں دیکھنا چاہیے علاوہ بریں نظام کے کسی علاقہ کو عارضی طور پر اپنے قبضہ یا انتظام میں لینا میرے نزدیک اس لیے بھی مناسب نہیں ہے کہ اگر چند سال تک نئے قوانین و ضوابط کا اجرا موقوف بھی رکھا جائے تب بھی ہمارے انتظام کا طریقہ نظام کے عہدہ داروں کے طریقہ سے بہت کچھ مختلف ہے۔ جب کسی علاقہ کی رعایا ایک زمانہ تک اس طریق انتظام کے زیر اثر رہ جائے گی تو اس علاقہ کی واپسی کے وقت وہ اس قابل نہ رہیگی کہ پرانے طریقہ کے ماتحت واپس جاسکے"۔

اس قسم کی بہت سی سیاسی اور معاشی مصلحت ظاہر کرنے کے بعد کیپٹن ٹیلر نے بھی انہیں علاقوں کو نظام سے لے لینے کا مشورہ دیا جن کے لینے کی تجویز جنرل فریزر نے پیش کی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ لیکن بعد میں اورنگ آباد بیڑ اور گلبرگہ کو اس سے خارج کردیا گیا اور صرف برار پائیں گھاٹ، دہارسیو (عثمان آباد) اور رائچور کا مطالبہ کیا گیا۔ نواب ناصر الدولہ بہادر اپنی سلطنت کے اتنے بڑے علاقوں کو چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ تھے۔ انہوں نے "قرض" کو ادا کرنے اور اس مصیبت سے بچنے کی انتہائی کوشش کی مگر آخر کار ۱۸۵۳ء میں انہیں ایک معاہدہ کے ذریعہ سے مذکورۂ بالا اضلاع کو بطور امانی حکومت ہند کے انتظام میں دینا پڑا۔ اس تفویض کے سات برس بعد رائچور اور دہارسیو نظام کو واپس دے دئے گئے۔ اور صرف برار پائیں گھاٹ کے اضلاع انگریزی تصرف میں رہ گئے۔

تفویض کے بعد

پچاس سال تک یہ علاقہ حکومت ہند کے محکمہ سیاسیات کے ماتحت حیدرآباد کے رزیڈنٹ کے انتظام میں رہا۔ اور اس کی آمدنی نہایت دریادلی کے ساتھ خرچ کی جاتی رہی۔ اس کے بعد ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے نواب محبوب علی خاں مرحوم کو یہ یقین دلا کر کہ یہ "امانت" واپس کرنے کے لیے نہیں لی گئی ہے اسے دوامی پٹہ پر دینے کے لیے راضی کرلیا۔ جدید معاہدہ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے برار پر نظام کے شاہی حقوق تسلیم کرتے ہوئے اس امر کا اختیار حاصل کرلیا کہ اس علاقہ کا جس طرح چاہے انتظام کرے اور اس کی آمدنی میں سے بلا اس لحاظ کے کہ اس میں کس قدر بچت ہے صرف ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ دیتی رہے اس کے دو سال بعد برار کا علاقہ انتظامی حیثیت سے صوبہ متوسط کے ساتھ ضم کردیا گیا۔

معاشی حالات

برار پائیں گھاٹ کا یہ علاقہ چار اضلاع پر مشتمل ہے جن کا مجموعی رقبہ ۱۷،۷۶۷ مربع میل ہے۔ یعنے بلجیم سے ۶ ہزار اور ڈنمارک سے ۱۳ سو مربع میل زیادہ۔ آبادی ۳۴ لاکھ سے کچھ زاید ہے یہاں کی کالی زمین ہندوستان کی نہایت زرخیز زمینوں میں سے ہے اور ہمیشہ سے اپنی اس خصوصیت کی بنا پر مشہور رہی ہے پیداوار میں بڑا حصہ روئی کا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس نے اس علاقے کو برٹش گورنمنٹ کی نگاہوں میں سوڈان کی طرح عزیز و مرغوب بنا دیا ہے۔ تمام ہندوستان میں جس قدر رقبہ پر روئی کی کاشت ہوتی ہے اس کا تقریباً چوتھائی حصہ صرف برار میں واقع ہے اس کے علاوہ گیہوں جوار اور تل کی پیداوار بھی کثرت سے ہوتی ہے۔ معادن میں سے لوہا اور کوئلہ جو عہد جدید میں صنعت کی جان ہے برار کی سرزمین میں بمقدار کثیر موجود ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ صرف ضلع یوت محل کی سرزمین اپنے اندر دو ارب ٹن سے زیادہ کوئلہ چھپائے ہوئے ہے اس قدرتی ثروت کے ساتھ انسانی عقل، ذہانت اور انتظامی قابلیت جتنی زیادہ استعمال کی جائے اتنے ہی زیادہ فواید و منافع حاصل کئے جاسکتے ہیں جس زمانہ میں اس قابلیت کا استعمال بمنزلہ صفر تھا اس وقت اس علاقہ کی آمدنی ۳۵ لاکھ سے زیادہ نہ تھی انگریزی انتظام میں آنے کے بعد اس میں تیزی سے ترقی ہونی شروع ہوئی یہاں تک کہ اب وہی علاقہ ڈہائی کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ آمدنی دے رہا ہے

برار کی مالی مشکلات

جس طرح حیدرآباد سے برار کی علحدگی حیدرآباد کے ساتھ ایک ناانصافی ہے اسی طرح صوبہ متوسط سے اس کا انضمام اہل برار کے ساتھ بھی کچھ کم ناانصافی نہیں ہے صوبہ متوسط رقبہ اور آبادی دونوں میں برار سے کئی گنا زیادہ بڑا ہے۔ مگر آمدنی میں برار سے کچھ زیادہ نہیں ہے بلکہ اگر تناسب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو برار اس سے بہت بڑا ہوا ہے صوبہ متوسط اپنے ۸۲ ہزار مربع میل رقبہ اور ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی سے جو ۸ ضلعوں پر پھیلی ہوئی ہے ساڑھے تین کروڑ سے زیادہ آمدنی نہیں دیتا برعکس اس کے برار اپنے ۴ ضلعوں سے جن کا رقبہ

۱۷ ہزار اور آبادی ۳۴ لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہے ڈھائی کروڑ سے زیادہ آمدنی دیتا ہے۔ اگر سی پی کے آمد و خرچ کا علحدہ حساب کیا جائے تو یقیناً اس میں خسارہ پایا جائے گا۔ کیونکہ اس کی اپنی آمدنی ایک باقاعدہ گورنری کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ باایں ہمہ وسعت اس کو انضمام برار سے پہلے گورنر کیا معنی لفٹننٹ گورنر کے ماتحت بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ برخلاف اس کے برار کے مداخل و مخارج کا حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۹۰ لاکھ سے ایک کروڑ روپے تک کی سالانہ بچت نکلتی ہے اس بچت کا ایک بڑا حصہ اس کا کنگال ہمسایہ کھا جاتا ہے۔ وہ دولت مند نہیں ہے مگر تن و توش کے بل پر نحیف الجثہ براری کو مغلوب کر لیتا ہے اور اس کی گاڑھی کمائی میں برابر کا شریک بن جاتا ہے اندازہ کیا گیا ہے کہ صرف پندرہ سال کی مدت میں برار کا تقریباً ساڑھے تین کروڑ روپیہ صوبہ متوسط پر اس طرح خرچ کر دیا گیا کہ اصل برار کو اس میں سے ایک پیسہ بھی نہ ملا۔ براریوں کے پاس اپنے آپ کو اس دست برد سے بچانے کی کوئی سبیل نہیں۔ کیونکہ آئینی حیثیت سے وہ سی پی کے مقابلہ میں قریب قریب بے بس ہیں۔ کونسل میں صوبہ متوسط کے ۵۳ ارکان ہیں اور ان کے مقابلہ میں برار کے صرف ۱۷۔ اتنی بڑی اکثریت کے مقابلہ میں اتنی چھوٹی اقلیت اپنے مفاد کی جیسی کچھ حفاظت کر سکتی ہے ظاہر ہے۔

یہ وہ بے انصافی ہے جس کی شکایت گزشتہ تیس سال میں بارہا اہل برار کی جانب سے کی جا چکی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں برار کے ایک مشہور ہندو لیڈر مسٹر دیشمکھ نے جو برار نیشنلسٹ پارٹی کے صدر ہیں اور ایک زمانہ میں صوبہ متوسط کے وزیر بھی رہ چکے ہیں لکھا ہے کہ:۔

برار اور صوبہ متوسط کے درمیان اصلی رابطہ جب سے برقرار رکھنے کی صوبہ متوسط کو بہت فکر ہے۔ یہ کہ برار روپیہ دیتا ہے اور صوبہ متوسط دل کھول کر اڑاتا ہے برار کے پر نوچے جاتے ہیں اور صوبہ متوسط کا گھونسلہ ان سے تیار ہوتا ہے ..... سنہ ۱۹۱۰ء کی حالت کے مقابلہ میں اس وقت برار میں جو کچھ ترقی نظر آ رہی ہے وہ سی پی کے ساتھ انضمام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے باوجود ہے کہ سی پی کا حلقہ گرانبار اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے برار کی آمدنی جو سنہ ۱۸۵۳-۵۴ء میں ۳۷ لاکھ ۶۰ ہزار تھی (اور سنہ ۱۹۰۱-۰۲ء میں ایک کروڑ ۴۲ لاکھ ۴۲ ہزار تھی) اب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ سنہ ۱۹۲۶ء اور سنہ ۱۹۳۰ء کے درمیان ۲ کروڑ ۴۵ لاکھ ۱۷ ہزار سالانہ کا اوسط رہا ہے (آخری سال معمولی سال نہیں ہیں بلکہ اس زمانہ میں برار کی آمدنی مائل بہ انحطاط تھی) برار کی بچت جو سنہ ۱۹۰۲ء میں صرف آٹھ نو لاکھ تھی سنہ ۱۹۲۶ء اور سنہ ۱۹۳۰ء کے درمیان اوسطاً ۹۲ یا ۹۳ لاکھ رہی ہے جس میں ۲۵ لاکھ کی وہ رقم بھی شامل ہے جو پٹہ کے معاوضہ میں ہر سال نظام کو دی جاتی ہے"۔

سیاسی مشکلات

اسی سلسلہ میں سی پی کے ایک مضمون نگار کو جواب دیتے ہوئے مسٹر دیشمکھ لکھتے ہیں:۔

"وہ لسانی، تمدنی اور سیاسی روابط جن کے سی پی سے برار کی علحدگی کی بدولت ٹوٹ جانے کا مضمون نگار کو خوف ہے حقیقت میں موجود ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو صرف سی پی کے مرہٹواڑی حصہ کی حد تک ہیں۔ لسانی حیثیت سے سی پی کا بڑا حصہ ہندی بولنے والی آبادی پر مشتمل ہے۔ تہذیب کے اعتبار سے سی پی اور برار کی وحدت انہی معنوں میں وحدت کہی جا سکتی ہے جن میں سارا ہندوستان ایک ہے اور سیاسی حیثیت سے برار نہ سی پی کا ایک جز رہا ہے نہ اب ہے نہ ہو سکتا ہے۔ وہ سی پی کا نقصان برداشت کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہے اور ہمیشہ وہ ایسا ہی محسوس کرنے پر مجبور کیا گیا ہے"۔

ان آخری فقروں میں مسٹر دیشمکھ نے جو کچھ کہا ہے، وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے برار اور سی پی کے درمیان کوئی چیز جامع نہیں ہے سی پی کے ۱۴ ضلع ہندی بولنے والے ہیں اور صرف چار ضلع مرہٹی بولنے والی آبادی پر مشتمل ہیں برخلاف اس کے برار کی عام زبان مرہٹی ہے۔ سی پی کی تہذیب اور برار کی تہذیب میں وہی فرق ہے جو ہندی بولنے والی قوموں اور مرہٹی بولنے والی قوموں میں ہے۔ مالگزاری کے طریقے حدبندی اور لگان کے اصول اور عام نظم و نسق میں سی پی اور برار کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ان تمام اعتبارات سے برار پائیں گھاٹ کا تعلق اگر کسی خطے کے ساتھ ہو سکتا ہے تو وہ برار بالا گھاٹ ہی ہے جس کے ساتھ کئی سو برس تک وہ شریک رہا ہے۔ سی پی جیسے بے جوڑ علاقے کے ساتھ متعلق رہ کر اہل برار کے لیے زندگی کے کسی شعبہ میں بھی ترقی کرنا ممکن نہیں ہے۔

آئینی مشکلات

کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشکلات تو ایسی ہیں جو برار کو صوبہ متوسط سے الگ کر کے ایک مستقل صوبہ بنا کر دور کی جا سکتی ہیں لیکن اگر اس مسئلے کے آئینی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی ضابطہ اور قانون کی رو سے ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ سنہ ۱۹۰۲ء کے معاہدہ کو جائز اور صحیح تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ امر بالکل ظاہر اور مسلم ہے کہ اس معاہدہ میں برار کے اضلاع برٹش گورنمنٹ کو ملکیت میں نہیں بلکہ پٹہ پر دیئے گئے ہیں پٹہ پر دینے کے معنے ملکیت میں دینے کے نہیں ہیں۔ بلکہ قانونی اصطلاح میں پٹے کے معنی صرف قبضے کے ہیں۔ پٹہ دار زمین پر قبضہ کا حق رکھتا ہے۔ مگر وہ اس کا مالک نہیں ہے مالک درحقیقت پٹہ پر دینے والا ہی ہے گو کہ اس نے قبضہ دوسرے کو منتقل کر دیا ہے سنہ ۱۹۰۲ء کے معاہدہ میں یہ پوزیشن تسلیم کرتے ہوئے اس امر کی تصریح کی گئی تھی۔ کہ برار پر شاہی حقوق بدستور قائم رہیں گے اس بنا پر سی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا اطلاق برار پر نہیں ہو سکتا۔ نہ برطانوی ہند کے قوانین کا اجرا برار پر اس طرح ہو سکتا ہے جس طرح وہ برطانوی مملکت کے اضلاع پر ہوتا ہے بلکہ اس کے لیے فارن جورسڈکشن ایکٹ کے ماتحت گورنر جنرل باجلاس کونسل کو مخصوص اختیارات دیئے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ برار پر برطانوی ہند کے قوانین کا اجرا کرتا ہے سنہ ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رو سے ہندوستان میں جو اصلاحات نافذ ہوئی ہیں ان سے قانوناً

اہل برار کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ اہل برار کو آئینی حیثیت سے حکومت کی ذمہ داری میں کوئی حصہ ملا۔ برار کے باشندے جن لوگوں کو انتخابات میں اپنا نمایندہ منتخب کرتے ہیں وہ اس وقت تک سی پی کونسل یا لیجسلیٹو اسمبلی یا کونسل آف اسٹیٹ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ جب تک گورنر جنرل قانونی طور پر ان کو نامزد کر کے اہل برار کی نمایندگی کرنے کا مجاز نہ کردیں۔ اسی طرح سی پی کونسل میں جتنے قوانین پاس ہوتے ہیں وہ بھی صرف سی پی کے لیے ہیں۔ برار پر ان کا نفاذ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک گورنر جنرل باجلاس کونسل، فرمان جو رسنڈکشن آرڈر کے مطابق ان کے نفاذ کی منظوری نہ صادر کردیں۔ سی پی کونسل میں جو برار لیجسلیٹو کمیٹی مقرر کی گئی ہے وہ بھی محض ایک مشورہ دینے والی جماعت ہے اس کا کام صرف یہ ہے کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کی طرف سے جو معاملات اس کے سامنے پیش کیے جائیں ان پر غور کرے اور اپنی رائے سے بواسطہ حکومت صوبہ، گورنر جنرل باجلاس کونسل کو مطلع کرے۔ اس معاملہ میں صوبہ کی حکومت صرف ایک ڈاکخانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اہل برار محض ایک عرضی گزار کی۔ اصلی اختیارات صرف گورنر جنرل کو حاصل ہیں اور وہ بالکل مختار ہے کہ برار کے حق میں جس تجویز کو چاہے منظور کرے جس قانون کو چاہے نافذ کرے اور جس کو چاہے نہ نافذ کرے۔

تمام مشکلات کا واحد حل

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آئینی حیثیت سے اب بھی اہل برار کو حکومت کی ذمہ داری میں کوئی حصہ نہیں ملا ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ آیندہ اصلاحات کے لیے جو قانون زیر تجویز ہے کیا اس کا اطلاق برار پر ہوسکے گا؟ کیا حکومت برطانیہ ایک پٹہ دار کی حیثیت سے یہ حق رکھتی ہے کہ اہل برار کو ذمہ دار حکومت یا پراونشل اٹانومی عطا کردے؟ کیا آیندہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت برار بلا لحاظ سی پی کے ساتھ یا اس سے علحدہ ایک مستقل صوبہ کی حیثیت سے فیڈریشن میں شریک ہوسکتا ہے؟ ہر شخص جو آئینی مسایل کو سمجھنے کی تھوڑی سی صلاحیت بھی رکھتا ہے، ان

سوالات کا جواب نفی میں دے گا۔ لہذا یہ امر بالکل یقینی ہے کہ موجودہ حالت کے برقرار رہنے کی صورت میں برار کے باشندوں کو کوئی ذمہ دار حکومت نہیں مل سکتی نہ وہ خود اپنے حق کی بنا پر قانون سازی کا اختیار حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ انتظامی خود اختیاری کا کوئی جزو پا سکتے ہیں اور نہ آل انڈیا فیڈریشن میں شریک ہو سکتے ہیں قانونی حیثیت سے اب صرف دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ یا تو برار کا قبضہ اس کے اصلی مالک کی طرف منتقل کیا جائے یا اگر اس کو پٹہ داری کے قبضہ میں رہنا ہے تو خود اختیاری اور ذمہ داری کے تمام حقوق سے محروم ہو کر گورنر جنرل باجلاس کونسل کی حکومت میں رہے دوسری صورت میں برار کی حیثیت تمام ہندوستان سے نرالی ہوگی اس کے لیے ہندوستان سے الگ ایک دوسرا کانسٹی ٹیوشن بنانا پڑے گا۔ ہندوستان کی آئینی ترقی میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور ۱۹۳۵ء کے ہندوستان میں بھی وہ ۱۸۵۳ء کا برار ہوگا۔ یہ صورت نہ صرف اہل برار کے لیے ناقابل قبول ہے بلکہ حکومت برطانیہ کے لیے بھی اس میں بڑی آئینی مشکلات ہیں ذمہ دار حکومت کے اتنے بڑے سمندر میں غیر ذمہ دار حکومت کے اتنے چھوٹے سے جزیرے کو لیے بیٹھے رہنا کسی طرح ایک عاقلانہ فعل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حقیقتاً اب برار کے آئینی مسئلہ کے حل کی صرف ایک ہی معقول صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ پہلی صورت ہے۔

افسوس ہے کہ برار کے باشندوں میں سے ایک گروہ ان مسایل کو سمجھے بغیر واپسی برار کے خلاف شور مچا رہا ہے حالانکہ اگر یہ لوگ کچھ سمجھ بوجھ سے کام لیں تو ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت حضور نظام سے زیادہ ان کے اپنے مفاد اور ان کی اپنی آئینی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قانونی فرمانروا کے زیر حکومت واپس آجائیں کیونکہ از روئے قانون جو حکومت ان کو ذمہ دار حکومت دے سکتی ہے وہ برطانوی حکومت نہیں بلکہ آصف جاہی حکومت ہے۔ رہا یہ سوال کہ واپسی برار کی گفت و شنید میں اہل برار کی رائے لی جانی ضروری ہے تو ایسی بات

صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو قانونی مسایل کے سمجھنے کی ذرہ برابر صلاحیت نہیں رکھتا۔ یا اگر ان کو سمجھتا ہے تو قصداً اپنے علم و فہم کے خلاف زبان کو حرکت دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فی الحال معاملہ پٹہ دار اور مالک کے درمیان ہے۔ نہ ان زمین کے باشندوں کی رائے کو نہ اس وقت کوئی دخل حاصل تھا جب پٹہ دیا گیا تھا، اور نہ اب اس پٹہ کے تنسیخ و فسخ کے موقع پر حاصل ہو سکتا ہے البتہ جب پٹہ منسوخ ہو جائے گا اور قبضہ زمین و مالک زمین کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس وقت اہل زمین اپنے قانونی فرمانروا سے اپنے حقوق کے معاملہ میں گفت و شنید کر سکتے ہیں فقط

برار کا مسئلہ

سلطنت آصفیہ کے ایک نہایت ہی اہم صوبہ برار کا مسئلہ چند سال سے برطانی اور آصف جاہی مدبرون کی توجہ طلب رہا ہے نوے سال کا اجارہ ختم ہونیکے بعد حکومت آصفیہ نے حکومت برطانیہ سے اس صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور صاف ظاہر ہے کہ حکومت آصفیہ ایسا کرنے میں سراسر حق بجانب تھی لیکن لارڈ ریڈنگ کے غیر مصالحانہ رجحانات کے باعث جو اس وقت ہندوستان کے وائسرائے تھے اس معاملہ کا تصفیہ نہ ہو گا آصفجاہی مدبروں نے حکومت برطانیہ سے مواعید کی پابندی کرانے کے لیے کوشش جاری رکھیں اور آج ہم لندن کی ایک اہم سیاسی ضیافت کے موقع پر پھر اس مسئلہ کی صدائے بازگشت سن رہے ہیں اور وزیر ہند کے حسب الفاظ نے جو اعلیٰ حضرت حضور نظام آصف جاہی مدبروں اور حکومت آصفیہ کے نظم و نسق کے متعلق نہایت شاندار تعریفی جملوں کے ساتھ کہے گئے ہیں ہمارے دلوں میں یہ توقع پیدا کردی ہے کہ عنقریب برار اپنی مادر مملکت کی آغوش میں لٹا دیا جائے گا اور اس بے انصافی کا خاتمہ ہو جائیگا جسے حکومت آصفیہ اور مسلمانان ہند شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں وزیر ہند نے کہا:—

"برار کے مسئلہ پر میرے اور سر اکبر حیدری کے درمیان طویل گفت و شنید ہو چکی ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ فریقین کی جانب سے نیک نیتی کا اظہار اس امر کا متقاضی ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو مشرح گفت و شنید ہندوستان میں شروع ہونیوالی وہ ضرور کامیابی پر ختم ہوگی میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا اور نہ سر اکبر حیدری کے نزدیک اس امر کی کوئی معقول وجہ موجود ہے کہ برار کی الجھی ہوئی حیثیت کیوں حیدرآباد کے فیڈریشن میں شامل ہونیکی راہ میں حایل ہو [illegible]

استرداد برار

از

علی اشرف

آگئی یہ نوید مسرت کہ اے دکن
انگریز تیرے سامنے مجبور ہو گیا

کیا خوب تیری صبح سعادت کی ہے بہار
اب روئے ناامیدی بھی مستور ہو گیا

ہیں دنگ سب کہ ساحر برطانیہ بھی آج
کیوں سحر اپنا بھول کے مسحور ہو گیا

باطل کا سر جھکا ہے صداقت کے سامنے
حق میں ترے برار ہے منظور ہو گیا

ہوں گے دوبارہ شاہ دکن مالک برار
چاروں طرف جہاں میں یہ مشہور ہو گیا

خوش ہو گئے اہل باغ ہمیں باغباں ملا
گلچیں کا خوف تھا مگر اب دور ہو گیا

نازاں ہو اے برار کہ دربار شاہ سے
دستور تیرے واسطے منظور ہو گیا

آیا ہے آسمان پہ ابر بہار دیکھ

پیہم گہر فشانی کا اب انتظار دیکھ

قبضۂ برار کی دلچسپ کہانی

جریدہ اسٹیٹسمین (لندن) کی زبانی

ذیل کا مضمون مسٹر رابرٹ نائٹ کے اس معرکتہ الآرا مضمون کا مقتبس ترجمہ ہے جو ۱۸۸۱ء میں لندن اسٹیٹسمین کے تین نمبروں میں "واپسی برار، ایک شرمناک کہانی" کے عنوان سے شایع ہوا تھا۔ (ایڈیٹر)

برار کو ہضم کرنے کی کہانی ایک شرمناک واقعہ ہے، اس سلسلہ میں حکومت ہند نے جن جن ناجائز افعال کا ارتکاب کیا ہے اور تاج برطانیہ کے سب سے بڑے وفادار دوست کے ساتھ جو ہتک آمیز برتاؤ کیا ہے وہ ہماری قوم کے دامن پر ایک ایسا بدنما دھبہ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں بہت کم ملے گی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں اپنے مقبوضات بڑھانے کا ایسا ہوکا ہو گیا تھا کہ اس نے کبھی اس امر کی پروا نہیں کی کہ یہ مقبوضات جائز طریقہ سے حاصل کیے جا رہے ہیں یا ناجائز طریقہ سے چنانچہ ۱۸۵۱ء تک الحاق کا بازار گرم رہا اور جس قدر دیسی ریاستیں تھیں ان کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا گیا تھا۔ اس کے ثبوت میں ہم ولیم سلیمن کا وہ بیان پیش کر سکتے ہیں جو اس نے اودھ کے بارے میں دیا تھا کہ اگرچہ ریاست کی انتظامی حالت خراب ہے لیکن حکومت ہند کو چاہیے کہ اس کے انتظام کو درست کرنے کی کوشش کرے کیونکلاصلاحی صلاحیت پوری طرح موجود ہے اور یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ ریاست جب تک ملحق نہ کر لی جائے گی اس کی حالت درست نہ ہوگی لیکن ڈلہوزی نے ہمیشہ اصلاحات کے نفاذ سے انکار کیا اور بالآخر اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح حیدرآباد پر بھی دانت تھے، کیونکہ اس کے بعض اضلاع بہت زیادہ زرخیز اور آمدنی کو بڑھا دینے والے موجود تھے اور اس مقصد کو پورا کرنے کی وقتاً فوقتاً کوششیں کی گئیں اور ایسے مواقع پیدا کیے گئے کہ جس سے حکومت کو الحاق کا ایک بہانہ ہاتھ آ جائے۔ بدنظمی اور والی ملک کا پوری قابلیت کے ساتھ ریاست کا انتظام نہ کر سکنا کمپنی کا ایک سالہا سال کا آزمودہ حیلہ تھا چنانچہ اسی بنا پر حیدرآباد کے رزیڈنٹ کے اس مطالبہ پر کہ حکومت ہند کو اصلاح ریاست کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ کلکتہ کے ارکان حکومت نے بہت کچھ لے دے کی اور فریزر پر یہ الزام لگایا کہ فریزر کی یہ تجویز محض اقتدار پسندی کی طمع پر مبنی ہے۔ چنانچہ تنگ آ کر خود فریزر نے یہ الفاظ کہے کہ میں یہاں نہ بھیجا جاتا تو زیادہ اچھا تھا اور ۱۸۵۳ء میں استعفا دیدیا۔ پھر جب سالار جنگ جیسا قابل آدمی حیدرآباد کی وزارت پر ممتاز ہوا تو اس کی راہ میں بھی روڑے اٹکائے گئے کہ کسی طرح ریاست میں اتنی قوت نہ پیدا ہو جائے کہ پھر ہم اس کو آسانی سے اپنی من مانی تجاویز نہ منوا سکیں۔

ڈلہوزی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ حکومت کا منشا یہ ہے کہ جس سرزمین سے مالی منافع نہوں وہاں اصلاحات جاری نہ کیے جائیں اور یہی خیال کہ صرف الحاق ہی میں ہمارا مالی فائدہ ہے اس کو اس بات سے روکتا رہا کہ حیدرآباد میں اصلاحات نافذ کرتا یا کم سے کم اس کو اس تباہ کن خرچ سے ہی خلاصی بخش دیتا جو کنٹنجنٹ افواج کے لیے اسے برداشت کرنے پڑتے تھے اور پھر لطف یہ کہ جب حیدرآباد کا خزانہ ان بیجا مصارف کو برداشت کرتے کرتے خالی ہو گیا اور رعایا اس طرح سے خون چوسے جانے کی متحمل نہ ہو سکی تو نظام سے کہا گیا کہ اپنی فوج کو برطرف کر کے یہ خرچ پورا کرو نہیں تو جو باپ دادا کا جمع شدہ ذخیرہ ہے اس میں سے ادا کرو اور اگر ان ذرائع میں بھی اس قدر گنجائش نہ ہو تو ان اخراجات کے برداشت کرنے کے لیے اپنے ملک کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ کمپنی کو دے ڈالو۔ پھر جب نظام نے اپنی تباہی اپنے سامنے دیکھکر یہ خواہش ظاہر کی کہ کنٹنجنٹ فوج کو موقوف کر دیا جائے تو اس کو طرح طرح کی دھمکیاں دے دیکر خاموش کر دیا گیا اور اس سے زبردستی تجویز شدہ ملک لے لیا گیا۔ پھر اگر یہ برتاؤ کسی دشمن کے ساتھ ہوتا تو ممکن تھا کہ بین الملکیات کی نظروں میں جائز سمجھا جاتا لیکن اس سے زیادہ افسوس کی اور کیا بات ہوگی کہ یہ برتاؤ نظام حیدرآباد کے ساتھ کیا گیا جس نے ہمیشہ مشکل کے وقت ہمارا ساتھ دیا اور اگر اس کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو ہندوستان میں انگریزی حکومت کا جمنا محال تھا۔

جب تک ہمیں نظام کی مدد کی ضرورت رہی ہم نے ان معاہدات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جو اس کے اور ہمارے درمیان ہوتے رہے لیکن جو نہی ہم نے یہ محسوس کیا کہ اب نظام کی مدد کی ضرورت نہیں رہی ہم نے ان معاہدات کو پس پشت ڈالدیا اور انتہائی سیاسی بداخلاقی کا ثبوت اس طرح دیا کہ جب اس کو بیرونی دشمن سے لڑنا پڑا تو اس کو ایک آدمی یا ایک روپیہ سے بھی مدد نہ دی اور جب اندرونی بغاوت نے امن عامہ میں خلل ڈالا تو صاف انکار کر دیا گیا کہ امدادی فوج اس مقصد کے لیے نہیں رکھی گئی ہے (حالانکہ وہ خود اسی کے خرچ پر رکھی گئی تھی)

ایک وہ زمانہ تھا کہ فرانس سے جنگ کے خاتمہ پر جب پیرس میں عہد نامہ ہوا تو اس کی دفعہ گیارہ یہ تھی کہ نظام اپنی ریاست میں مستقل اور آزاد ہے۔ یہ ۱۷۶۳ء کی بات ہے، اس کے بعد ۱۷۶۶ء میں جب پھر لڑائی شروع ہوئی تو ہم نے نظام کو اپنا دوست بنا لیا اور ان سے پانچ اضلاع

(شمالی سرکار) کے لیے جس کے عوض میں نوے ہزار پونڈ پیش کش دینا قبول کیا۔ نظام دراصل اس سے زیادہ بہتر چیز حاصل کرنا چاہتے تھے یعنی فوج کی امداد تاکہ ان کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے ایک گونہ اطمینان حاصل ہو جائے چنانچہ یہ فوج امدادی مقرر کی گئی جس کا مقصد یہ قرار پایا کہ وہ نظام کو ہر موقعہ پر مدد کرے۔ ۱۷۶۸ء میں جب ایک مرتبہ پھر لڑائی ہوئی تو معاہدوں کی تجدید کی گئی اور اس مرتبہ یہ طے ہوا کہ پیش کش گھٹا کر ستر ہزار کر دی جائے اور امدادی فوج کے اخراجات نظام اٹھائیں۔ نظام نے منظور کر لیا کیونکہ ان کو فوج کی موجودگی پر بہت بڑا بھروسہ تھا۔ لیکن ضرورت کے وقت نہ تو امدادی فوج نے کوئی مدد کی اور نہ پیش کش ہی ادا کیا گیا۔

بہت دنوں تک معاملات اس حال پر نہ چھوڑے جا سکے کیونکہ نظام کی مدد کی ضرورت پھر پیش آئی۔ ٹیپو سلطان سے پھر لڑائی شروع ہو گئی اور ضرورت اس بات کی ہوئی کہ نظام کو بھلا پھسلا کر ان سے معاہدہ کر لیا جائے چنانچہ حسب دلخواہ شرائط طے پائے۔ نظام اور انگریزی فوجیں ساتھ ساتھ لڑیں اور بالآخر میسور کی قوت کو بہت بڑی شکست ہوئی اس لڑائی کا اثر نظام پر بہت خراب پڑا ان کا خزانہ خالی ہو گیا اور فوج بھی کچھ بے ترتیب سی ہو گئی بیرونی دشمنوں کے لیے اس سے بہتر کوئی موقع نہ ہو سکتا تھا لیکن نظام بجائے فکر مند ہونے کے نہایت مطمئن تھا کہ اگر ضرورت پیش آئی تو انگریزی فوج جس کے وہ اخراجات برابر برداشت کر رہا تھا ضرور مدد کرے گی لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ نظام کی مدد کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھایا گیا۔ ۱۷۹۵ء میں نظام کی حالت کا اندازہ کر کے مرہٹوں نے حیدرآباد پر چڑھائی کر دی۔ نظام کی فوج تنہا جا کر لڑی اور نتیجہ وہی ہوا جو ایسی صورت میں ممکن تھا۔ نظام کو شکست فاش ہوئی اور انتہائی ذلت آمیز شرائط پر راضی ہونا پڑا۔ مرہٹوں نے چلتے چلتے یہ معاہدہ بھی لے لیا کہ انگریزی امدادی فوج موقوف کر دی جائے[۱]۔ حکومت ہند اپنے دوست کا یہ حال ٹھنڈے دل سے دیکھتی رہی اور انھوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا کہ اخلاقی اور سیاسی حیثیت سے اس وقت ان کے کیا فرائض تھے۔

ٹیپو والئی میسور کا خطرہ پھر نمودار ہوا اور اس مرتبہ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس بات کو محسوس کیا کہ اگر نظام کی مدد نہ کی گئی تو کم سے کم جنوبی ہند سے ان کی بے دخلی یقینی ہے اور پیش بینی کے طور پر یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو پھر ایک معاہدہ کیا گیا۔ اس معاہدہ کی رو سے نظام کی فرانسیسی فوج برطرف کر دی گئی اور اس کے بجائے امدادی فوج انگریزی رکھی گئی اور نظام نے اس کے اخراجات برداشت کرنا قبول کیا۔ ۱۷۹۹ء میں معاہدہ کے پانچ ماہ بعد ٹیپو سے لڑائی شروع ہوئی اور اس میں انگریزوں اور نظام کی متفقہ فوجیں ٹیپو کو ختم کرنے اور اس کی قوت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہوئیں اب چونکہ ہماری حکومت کا مطلب نکل گیا تھا لہٰذا اس نے پھر آنکھیں پھیر لیں اور ممالک مفتوحہ کا نصف از روئے معاہدہ نظام کو دینے سے انکار کر دیا بلکہ وہ علاقے بھی مانگ لیے جو ۱۷۹۲ء کی لڑائی میں نظام کو دیے گئے تھے اور امدادی فوج کا خرچ جو اب بڑھا کر ساڑھے نو ہزار کر دی گئی تھی نظام کے سر رکھا۔ اس خرچ کی تعداد ۶ لاکھ ۳۰ ہزار پونڈ سالانہ تھی۔ نظام ان حرکتوں کے مقصد سے خوب واقف تھا اور سب کچھ جاننے کے باوجود وہ اس حفاظت کی ہر ممکن قیمت دینے کے لیے تیار تھا جس کی اسے انگریزی فوج کی طرف سے امید تھی لیکن اس قدر زبردست قیمت وصول کر لینے پر بھی اس کو اس حفاظت سے محروم رکھا گیا یہاں تک کہ جب خود اس کی سلطنت میں بعض لوگوں نے بغاوت کی تو فوجی امداد کے دینے سے انکار کر دیا گیا اور یہ عذر پیش کیا گیا کہ امدادی فوج اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اگر نظام کو ایسی ہی ضرورت ہے تو ایک اور فوج جو انگریز افسروں کے تحت ہو رکھی جائے جس کا مقصد اس قسم کی بغاوتوں کو فرو کرنا ہو اور اس فوج کا خرچ بھی نظام برداشت کریں۔

یہ تھی ابتدا اس فوج کی جس کو حکومت ہند کے ارکان نے اپنی مرضی سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو معقول فوجی جگہوں پر سرفراز کرنے کے لیے قائم کردایا تھا۔ ان کے اس مقصد کی تائید میں وہ رپورٹیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اس کے اخراجات کے متعلق سرکاری طور پر مرتب ہوئیں اور جو عوام اور خواص کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ اس فوج کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی اور اس کا سالانہ خرچ قریب قریب چالیس لاکھ تھا۔ جولو نے ایک زمانہ میں سفارش کی تھی کہ اس کا خرچ کم کر دیا جائے لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی اور اگرچہ کلکتہ کے ارکان حکومت نے ایک مرتبہ اس امر کا وعدہ بھی کیا کہ جو جگہیں خالی ہوں گی وہ بھری نہ جائیں گی اور اس طرح فوج کا خرچ کم کر دیا جائے گا لیکن اس وعدہ کے ایفا کا موقعہ کبھی نہ آیا بلکہ ۱۸۴۸ء میں ڈلہوزی نے اس میں سے ایک آدمی بھی کم کرنے سے انکار کر دیا جب نوبت یہاں تک پہونچی کہ نظام خرچ ادا کرنے کے قابل نہ رہا تو اخراجات برداشت کرنے کے لیے زمین کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ان امور سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فوج کے قیام کا اصل مطلب اور اس کے اس قدر مستغنی مصارف کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو بڑی بڑی فوجی نوکریاں دی جائیں اور جب نظام فوج کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہو جائے تو ان کا ملک یا اس کا ایک حصہ ہضم کر لیا جائے۔

نظام بچہ نہ تھا کہ وہ ان باتوں کو نہ سمجھے اس نے اس فوج کو مقرر کرنے سے بالکل انکار کر دیا لیکن یہاں تو اس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ حکومت ہند اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مختلف ترکیبیں سوچنے لگی چنانچہ پہلے اپنی مرضی کے مطابق وزیر مقرر کیے ان سے حسب دلخواہ کام نہ نکلا تو بالآخر چندو لال کو جو دفتر مال میں کارکن تھا پیش کار بنا کر جز و کل کا مختار بنا دیا۔ اب چونکہ وزیر۔۔ انگریزوں کی مرضی کا تھا اس لیے بہت جلد اس مجوزہ فوج کے قیام کی منظوری لے لی گئی حالانکہ نظام نے ہمیشہ اس سے اختلاف کیا اور ناراضی کا اظہار کرتے رہے، خود برطانوی حکام کی تحریروں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ لارڈ مٹکاف ۱۶ مارچ ۱۸۳۲ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ کنٹنجنٹ فوج درحقیقت ہمارے اور راجہ چندو لال کے درمیان ایک مشترکہ کاروبار ہے اور سر فریڈرک کری نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر نظام ہم سے معاہدوں کی رو سے مطالبہ کرے کہ یہ فوج جس کا اس قدر خرچ ہے کس بنا پر رکھی گئی ہے تو ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے" یہ خیال جو حکومت کی رپورٹوں کے ذریعہ سے پھیلایا گیا ہے کہ فوج نظام کی خواہش کی بنا پر رکھی گئی تھی بالکل غلط ہے کیونکہ جنرل فریزر ۲۶ جولائی ۱۸۴۲ء کی ایک تحریر میں لکھتا ہے کہ اگر نظام کو یہ خبر ہو جائے کہ وہ خود مختار ہیں تو سب سے بڑی خرابی یہ ہو گی کہ وہ کنٹنجنٹ فوج کی موقوفی کا مطالبہ کریں گے کیونکہ وہ اس سے ناراض ہیں اور ہم کسی معاہدہ کی بناء پر ان کو اس فوج کے رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتے"۔

بہرحال بورڈ آف ڈائرکٹرز کی مرضی کے خلاف اور خود نظام والی حیدرآباد کے اختلاف کے باوجود آٹھ ہزار آدمیوں کی ایک فوج جو حالات زمانہ کے لحاظ سے بالکل فضول تھی کھڑی کر دی گئی جس نے نظام کا خون چوسنا شروع کر دیا اور بر طرہ یہ کہ نظام کو ضرورت کے وقت اس فوج نے کبھی مدد نہ دی انگریزوں نے اپنی طبیعت سے ایک قانون گڑھ لیا تھا جب تک

---

[۱] معلوم نہیں کہ اس بیان کے لیے مضمون نگار کا ذریعہ معلومات کیا ہے۔ عام طور پر تمام انگریزی اور فارسی تاریخیں یہ بتاتی ہیں کہ غفران مآب میر نظام علی خاں نے یہ دیکھ کر کہ امدادی فوج مصیبت کے وقت کام نہیں آتی، خود ہی اس کو موقوف کر دیا تھا یہ بات کہ امدادی فوج کی برطرفی کا مطالبہ مرہٹوں کی طرف سے ہوا تھا کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ (صبح دکن)

ہز ہائی نس اعلحضرت نواب میر فرخندہ علی خان
ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع
(از سنہ ۱۸۲۹ع تا سنہ ۱۸۷۵ع)



جن کے عہد حکومت میں انگریزوں نے برار اپنے قبضہ میں لیا

ہز ہائی نس اعلحضرت نواب میر محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس



جنسے انگریزوں نے برار کا دوامی پٹہ مکمل کرایا

یہ فوج انگریزی افسران کے تحت میں ہے اس وقت تک محض نظام کے حکم سے وہ ایک قدم بھی نہ بڑھائیگی جب تک رزیڈنٹ کی اجازت نہ ہو اور وہ اس بات کی تصدیق نہ کردے کہ واقعی یہ موقعہ ایسا ہے جہاں اس فوج کی ضرورت ہے۔ اس طرح نظام کے پردے میں رزیڈنٹ اس فوج پر حکومت کرتا رہا لیکن اخراجات کا ناقابل برداشت بوجھ کمزور نظام پر پڑتا رہا۔ حالانکہ نظام ایک مرتبہ بھی اس فوج سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

حیدرآباد کی ریاست اس خرچ کو آخر کہاں تک برداشت کرتی۔ اس کا خزانہ خالی ہوگیا۔ کرنل لو نے سنہ ۱۸۴۸ء میں یہ شکایت لکھکر بھیجی کہ اگر فوج کا خرچ ۴ لاکھ سے دو لاکھ پونڈ نہ کردیا گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ پھر کام بالکل نہ چل سکے گا۔ سنہ ۱۸۴۹ء میں ایک وزیر کا بیان ہے کہ "ایسی حالت میں جیسی کہ اب حیدرآباد میں ہے اگر آسمان سے کوئی فرشتہ بھی اتر آئے تو کچھ نہیں کرسکتا" جب کسی طرح خرچ نکلنے کی امید نہ رہی تو نظام کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بے قاعدہ فوج کو موقوف کردے چنانچہ تین ہزار آدمی برطرف کردئے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی اس لیے یہ اسکیم موقوف کردی گئی لیکن فوج کا خرچ اٹل تھا۔ نظام کو قرض لینا پڑا اور یہ قرض ۲۴ فی صدی پر ملا ایسی صورت میں ریاست بالکل دیوالیہ ہوگئی اور ساتھ ساتھ اس کی ساکھ میں بھی کمی آگئی۔ قرض نہ ملنے کی صورت میں نظام نے اپنے جواہرات کے ذریعہ کام نکالا لیکن اس طرح بھی بہت دنوں تک کام نہیں نکالا جاسکتا تھا آخر سنہ ۱۸۵۱ء میں سراج الملک نے رزیڈنٹ کو لکھا کہ سکندرآباد اور جالنہ کی جو ابکاری کی آمدنی ہے اور برٹش گورنمنٹ نے چالیس سال سے ہمیں نہیں دی ہے وہ اس طرف محسوب کرلی جائے لیکن ڈلہوزی نے اس تجویز کو نہ مانا رزیڈنٹ کو یہ ہدایت بھیجی گئی کہ رزیڈنسی کے خزانہ سے فوج کی تنخواہیں ادا کی جائیں اور کل رقم نظام کے حساب میں لکھی جائے اس طرح نظام کے اوپر قرضہ بڑھتا گیا اور جب تنگ آکر حسابات کا مطالبہ کیا گیا تو ڈلہوزی نے ایک مراسلہ براہ راست نظام کے نام بھیجا جو ہرگز اس کے شایان شان نہ تھا بلکہ حد درجہ ذلت آمیز فقروں سے لبریز تھا چنانچہ اس کے مراسلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "تم گورنمنٹ کو ناراض نہ کرو ورنہ وہ تم کو پامال کردے گی اور اگر تم فوج کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے تو اپنی عرب فوج کو موقوف کردو۔ نہیں تو شمالی صوبجات ہمارے سپرد کردو تاکہ فوج کے اخراجات کی کفالت ہو سکے" حالانکہ خود ڈلہوزی نے بعد میں یہ اقرار کیا کہ

سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی بنا پر ہیں اور روئے الفاظ معاہدہ اور از روئے مطلب معاہدہ اس امر کا کوئی حق نہیں ہے کہ نظام سے اس قسم کی کوئی فوج رکھوائیں"۔

بہرحال سنہ ۱۸۵۳ء میں وہ موقعہ آگیا جس کی تلاش مدت سے تھی۔ نظام کے سامنے قرضہ کا بل پیش کیا گیا اور عدم ادائگی کی صورت میں ایک معاہدہ کا مسودہ پیش کیا گیا جس کی رو سے نظام سے برار کے اضلاع کا مطالبہ کیا گیا۔ اب اس قرضہ کی اصلیت بھی سن لیجئے۔ کرنل ڈیوڈسن رزیڈنٹ حیدرآباد نے لکھا کہ "میری رائے میں اگر باقاعدہ حساب کیا جائے تو کوئی رقم نظام کے ذمہ نہیں نکلتی جس رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا اس میں بیشتر وہ رقم تھی جو کنٹنجنٹ فوج کو دی گئی تھی اور تقریباً نصف اس رقم کا محض سود تھا۔ حالانکہ ہمارے اوپر نظام کا اصل روپیہ اس سے زائد تھا" لیکن نظام کے اس مطالبہ کو کہ ہماری رقم جو نکلتی ہے وہ وضع کردی جائے نہایت ٹھنڈے دل سے مسترد کردیا گیا۔ اس معاہدہ کی گفت و شنید کے دوران میں نظام نے خواہش ظاہر کی کہ فوج مذکور موقوف کردی جائے تو لو نے جواب دیا کہ "پھر آپ کو عربوں، سکھوں اور روہیلوں کی شرارت سے کیونکر محفوظ رکھا جاسکے گا کیونکہ امدادی فوج یہ کام نہیں کرسکتی وہ بقول ڈلہوزی کے صرف اہم مواقع کے لیے ہے اور معمولی کاموں کے لیے یہ فوج ہے" پھر ایک موقع پر نظام نے کہا کہ "فرض کرو کہ میں فوج کو موقوف کردوں اور اس رقم کا انتظام کردوں" تو لو نے جواب دیا "کہ تب بھی علاقہ مجوزہ کے تفویض سے آپ کو کوئی مفر نہیں"
اس سے ان تمام غلط بیانیوں پر روشنی پڑتی ہے جو حکومت نے سنہ ۱۸۵۴ء میں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیں کہ "نظام کے ذمہ ایک بہت بڑی رقم ہوگئی تھی اور نظام فوج کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے اس سے ان کو مت فائدہ تھا اور برار کو تفویض کردینا ہی ایک معقول انتظام ہوسکتا تھا اور یہ تفویض نظام کی عین رضامندی سے ہوئی ہم نے ان کے اوپر بالکل زور نہیں ڈالا اور سالارجنگ کے اعتراض کا جو جواب حکومت نے دیا اس کی پول بھی کھل گئی کہ نظام کے سامنے جب دو صورتیں پیش کی تھیں تو انہوں نے زمین دینا قبول کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ نظام اس معاہدہ سے بالکل خوش نہ تھے بلکہ ان کو مختلف قسم کی دھمکیاں دی گئی تھیں۔ اگرچہ لو نے ان کی صراحت نہیں کی تاہم ۱۹ مئی سنہ ۱۸۵۳ء کو جو نوٹ اس نے کلکتہ بھیجا اور جس

میں یہ لکھا تھا کہ بالآخر نظام معاہدہ پر دستخط کرنے پر راضی ہوگئے تاہم اس میں ایک اور نوٹ مورخہ ۲۰ مئی کا ذکر کیا ہے جو اسسٹنٹ رزیڈنٹ کی طرف سے سراج الملک کو لکھا گیا تھا اس کا مضمون ذیل میں درج ہے۔

"نواب صاحب! رزیڈنٹ آج آپ سے ملنا چاہتے ہیں اس بات کی اطلاع دینے کے لیے کہ آپ نظام سے کہہ دیجئے کہ آج ہی کی ڈاک سے رزیڈنٹ نے کلکتہ سے فوجی کارروائی کے لیے حکم منگوایا ہے اور میرا ایک بھتیجہ جو پونا میں ہے اس نے لکھا ہے نمبر ۷۸ ہائی لینڈر اور نمبر ۸۶ ہر مجسٹی رجمنٹ کو احکام مل چکے ہیں کہ وہ حیدرآباد کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار رہیں اور یہ واضح رہے کہ یہ فوجی کارروائی علاقہ جات مجوزہ تک ہی محدود نہ رہیگی"
اس سے قبل خود رزیڈنٹ نے بھی ایک پوشیدہ خط کے ذریعہ نظام کو مطلع کیا تھا کہ اگر آپ معاہدہ کو منظور نہ کریں گے تو انگریزی فوجیں آپ کے دار السلطنت میں ہونگی کیا اس کو رضامندی کہا جاسکتا ہے؟ انتہا درجہ کی دناءت کے ساتھ فوجی دھمکی دیکر ایک کمزور خیر خواہ سے معاہدہ کے اوپر دستخط لیے گئے۔ بہرحال نظام نے یہ دیکھکر کہ اب کوئی مفر نہیں ہے یا تو برار حوالہ کرو یا کل ریاست سے ہاتھ دھو بیٹھو اس لیے بادل ناخواستہ معاہدہ پر دستخط کردیے۔ اب کلکتہ کی حکومت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ سب سے زیادہ زرخیز حصہ لینے کے بعد بھی سیری نہ ہوئی اور تلی اس تفویض پر ہمیشگی کا جامہ پہنانے۔ حالانکہ معاہدہ کی کسی دفعہ سے یہ نہیں نکلتا کہ برار ہمیشہ کے لیے انگریزی حکومت کو دیدیا گیا۔ لو کا بیان ہے کہ "جب نظام نے یہ سنا کہ ہمیشہ کے لیے برار ان کا جاتا ہے تو انہوں نے سختی کے ساتھ مخالفت کی اور میں نے یہ دیکھکر کہ کہیں اس لفظ کی وجہ سے تمام گفت و شنید ہی ناکام ہو جائے۔ نظام سے کہا کہ مجھے معاہدہ کے اس حصہ کی نسبت اجازت دی گئی ہے کہ حسب ضرورت ترمیم کردوں اور اگر آپ نہیں چاہتے کہ یہ علاقہ جات ہمیشہ کے لیے دیے جائیں تو آپ اتنے عرصہ کے لیے دیدیں جب تک آپ قیام فوج کی ضرورت سمجھیں"۔

برار ہمیشہ حیدرآباد کا حصہ سمجھا گیا اور اسی بنا پر وہ تجویز مسترد کردی گئی جس کی رو سے برار کمشنر ناگپور کے تحت میں چلا جاتا۔ مزید ثبوت کے لیے حکومت کا وہ خط ہے جو رزیڈنٹ کو ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کے دوران میں لکھا گیا تھا کہ "ان علاقہ جات میں ہم بطور خود مختار بادشاہ کے نہیں ہیں بلکہ والی حیدرآباد کی طرف سے انتظامی امور کو انجام دے رہے ہیں اور ان امور کی انجام دہی اسی وقت تک ہے جب تک کنٹنجنٹ رکھی جائے گی اس کے بعد نہیں" اسی مراسلہ میں آگے

چلکر لکھا گیا ہے کہ "ان علاقہ جات کی حیدرآباد سے علحدگی بالکل عارضی ہے اور ایک خاص مقصد کے لئے ہے یعنی فوج کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے جو امن قائم کرنیکے لئے رکھی گئی ہے۔ اور حقیقتاً یہ علاقہ اب بھی حیدرآباد ہی کا حصہ ہے اور حیدرآباد کو اس وقت واپس کر دیا جائیگا جبکہ فریقین اس عہد کی منسوخی پر اتفاق کرلیں گے جس کی بنا پر یہ فوج رکھی گئی ہے"۔ چونکہ یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ یہ علاقہ عارضی طور پر لیا گیا ہے اس لئے جب سالارجنگ کے زمانہ میں ریاست کی حالت درست ہوگئی اور وہ اس قابل ہوگئی کہ وہ فوج کے اخراجات خود برداشت کرسکے تو اس نے یہ تجویز پیش کی اب حسب دفعات معاہدہ برار واپس کردیا جائے اور فوج کے اخراجات بدستور ریاست حیدرآباد دکن سے وصول کئے جائیں۔

جب برار کے متعلق متعدد اپیلیں کی گئیں تو تھوڑے دنوں کے لئے خاموش کرنے کے واسطے ۱۸۶۰ء کا نیا معاہدہ کیا گیا اور تھوڑا سا حصہ واپس کردیا گیا اور باقی حصہ کے لئے یہی ظاہر کیا گیا کہ وہ بھی عارضی طور پر حکومت ہند کے پاس رہیگا۔

دفعہ ۸ معاہدہ ۱۸۵۳ء کی رو سے حکومت کا فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ برار کے حسابات ... پیش کرے اور جو رقم زائد نکلے وہ نظام کو دیدے لیکن اس پر عمل نہیں کیا گیا چنانچہ سالارجنگ کی طرف سے واپسی برار اور حسابات کے متعلق جب اپیلیں کی گئیں تو ان کو نہایت سخت الفاظ میں جواب دیا گیا کہ سالارجنگ کو چاہیئے کہ اپنے خط و کتابت میں وہ زیادہ سنجیدگی اور ہوشمندی سے کام لیا کریں۔

اس کے بعد شمس الامرا کے اتفاق سے سالارجنگ نے ۱۹ ستمبر ۱۸۷۲ء کو پھر واپسی برار کے لئے لکھا کہ ...

. . . .

. . . . میسور کے الحاق کی تجویز پر جو میں نے مطالبات کئے تھے وہ منظور نہیں ہوئے اور وہ دھبہ اسی طرح قائم رہا۔ اب تجویز یہ ہے کہ فوج کے اخراجات کے لئے نقد رقم کسی بنک میں جمع کر دی جائے اور اس کے سود سے فوج کا خرچ اٹھایا جائے۔ اس خط کا جواب پورے ایک سال کے بعد یہ دیا گیا کہ ہم اس تجویز کو بوجوہ منظور نہیں کرسکتے اور اس کے علاوہ معاہدات ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کا اصل مقصد ارضی ضمانت لینا تھا اسپر ان دونوں مختاران ریاست نے پھر ۲۴ نومبر ۱۸۷۶ء کو ایک زبردست مراسلہ بھیجا اور اس میں یہ لکھا ہے کہ ہم نے بہت اچھی تجویز کی تھی لیکن ہمیں نہ بتایا گیا کہ ارضی ضمانت کے بجائے نقد مالی ضمانت قبول کرنے میں کیا قباحت ہے؟

اس خط کے سات ماہ کے بعد لندن سے جون ۱۸۷۷ء کو لارڈ سالسبری کا جواب آیا کہ ہم آپ کی تجویز منظور نہیں کرسکتے۔ لیکن چونکہ اس خط میں ۲۴ نومبر ۱۸۷۶ء کے خط کا حوالہ تھا اسلئے وہ دبا لیا گیا اور ویسے ہی اطلاع بھیجدی گئی وزیر ہند نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آپ کی تجویز منظور نہ ہوگی۔ دوسری طرف مسٹر ایکیسن کو ۲۴ نومبر ۱۸۷۶ء کے خط کے ساتھ لندن بھیجا گیا۔ اور اس کے ساتھ وہ تمام مواد بھی بھیجا گیا جو سالارجنگ کی مخالفت میں کام آسکتا تھا۔ مسٹر ایکیسن اس میں کامیاب ہوگئے اور سالسبری نے ۱۷ نومبر/جولائی ۱۸۷۷ء کو خط لکھا جسمیں تجویز کے نامنظور کرنے کا ذکر تھا یہاں مختاران ریاست نے یہہ دیکھکر کہ ہمارے ۲۴ نومبر ۱۸۷۶ء کے جواب میں کوئی مدلل جواب نہیں آیا ایک اور مراسلہ مورخہ ۷ ر جولائی ۱۸۷۷ء سالسبری کو لکھا یہہ خط بہت طویل تھا اور اس میں گذشتہ دلائل کو دہرایا تھا۔

اس میں یہہ بھی لکھا تھا کہ لوگوں نے کس طرح لفظ دواماً کو بدلا اور ہم نے جو یہ تجویز پیش کی تھی کہ فوج کا ہم نقد انتظام کرتے ہیں وہ محض اس وجہ سے کی تھی کہ ہمیں یہہ خیال تھا کہ حکومت ہند کی مرضی اسکے رکھنے کی ہے ورنہ اگر ہماری تجویز منظور نہ ہوئی تو ہم حسب معاہدہ ۱۸۵۳ء فوج کو موقوف کر دیں گے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو ریذیڈنٹ نے لکھدیا کہ آئندہ سے برار کے متعلق خط لندن نہ بھیجے جائیں۔ چنانچہ ان کے خط کلکتہ ہی میں روک لئے جاتے تھے۔ وزیر ہند کے پاس سالارجنگ کے دلائل جو وہ واپسی کے متعلق پیش کرتے تھے، پہنچتے ہی نہ تھے بلکہ ارکان حکومت کی رائیں جو اس مسئلہ کے مخالف ہیں پہنچ جاتی تھیں۔

آخر کار مختاران ریاست نے ۲۹ ستمبر ۱۸۷۷ء کو پھر ایک خط لکھا جسمیں یہہ بیان کیا کہ یہ امر بہت ہی سخت ہے کہ برار کے معاملہ پر حکومت نے کوئی بحث ہی نہیں کی اور کوئی مدلل جواب بھی نہ دیا اور جو ہمارا خاص خط تھا جس میں تفصیل سے معاملہ سمجھایا گیا تھا اسے لارڈ سالسبری نے پڑھا یا نہیں۔ یہہ خط اس درخواست کے ساتھ بھیجا گیا کہ ریذیڈنٹ اسکو کلکتہ بھیجدے۔ لیکن ریذیڈنٹ نے اس خط کو واپس کر دیا۔ دوبارہ اسی درخواست کے ساتھ وہ خط ریذیڈنٹ کو بھیجا گیا کہ بھیجدو لیکن ریذیڈنٹ نے یہہ لکھکر واپس کر دیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ اس پر خاموش ہو جاؤ ورنہ حیدرآباد اور حکومت ہند کے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔

مختاران ریاست نے جب یہہ دیکھا کہ یہ راستہ بند کر دیا گیا ہے تو انھوں نے ۷ ر اکٹوبر کو براہ راست سکرٹری آف اسٹیٹ کو خط لکھا۔ اس کے پہنچنے پر حکومت ہند سے معاملہ کی تفصیل طلب کی گئی۔ یہہ تفصیل اس طرح سے بھیجی گئی کہ اسکا پڑھنا مشکل ہوگیا! اور علاوہ اس تفصیل کے ساتھ ایک خط مورخہ یکم جنوری بھی بھیجا گیا جس میں ہر ممکن طریقہ سے واقعات کو غلط روشنی میں پیش کیا گیا اور اس اعتراض کا کوئی جواب نہ دیا کہ برار عارضی طور پر لیا گیا تھا۔ صرف اس قدر لکھا کہ ایک گذشتہ مراسلہ میں اس امر پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ برار کی تفویض عارضی سمجھنا بالکل بے بنیاد اور غلط ہے چنانچہ یہ کارروائی بھی بار آور نہ ہوسکی اس لئے جو آخری صورت ممکن تھی وہ اختیار کی گئی کہ سالارجنگ نے خود لندن کے سفر کی تیاری کی تاکہ وہاں اصل واقعات کو پیش کرکے کوئی مفید مطلب نتیجہ حاصل کرنے کی کوشش کریں لیکن کلکتہ سے ایک خط لکھا گیا کہ سالارجنگ کو سیاسی معاملات پر گفتگو کا موقعہ نہ دیا جائے۔ چنانچہ یہ ترکیب بھی ناکام رہی۔ اتنا ضرور ہوا کہ چلتے وقت لارڈ سالسبری نے سالارجنگ سے یہ کہا کہ حیدرآباد جاکر برار کے مسئلہ سے متعلق ایک جدید بیان لکھکر بھیجو جس میں گذشتہ خط و کتابت کا بالکل حوالہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ بیان دسمبر ۱۸۷۶ء میں لکھا گیا لیکن ریذیڈنٹ نے اس کے لینے سے انکار کر دیا چونکہ اس زمانہ میں شاہی دربار ہونے والا تھا اس لیے ریذیڈنٹ، سالارجنگ اور نظام (جو ابھی بچے تھے) دہلی گئے۔ وہاں دفتر خارجیہ والوں نے نظام کی توہین کرنے کی کوشش کی لیکن یہ بات [illegible] دی گئی۔ بہرحال سالارجنگ کا موخرالذکر بیان لارڈ لٹن کے سامنے پیش ہوا۔ یہ بیان چار ماہ تک وائسرائے کے پاس پڑا رہا۔ چار ماہ کے بعد وہ لندن بھیجا گیا لیکن اس کے ساتھ ایک خط کی نقل بھی تھی جس کی نسبت یہ لکھا گیا تھا کہ اس بیان کے جواب میں حیدرآباد کو یہ خط لکھا گیا ہے لیکن وہ خط آج تک نہیں بھیجا گیا۔ اس لیے یہ معاملہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس دوران میں امیر کبیر شمس الامرار کا انتقال ہوگیا۔

ریذیڈنٹ اور حکومت ہند پر برار کے متعلق جو تقاضے ہو رہے تھے ان سے وہ تنگ آگئے تھے اس لیے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایسی کارروائی کی جائے کہ برار کے متعلق مطالبہ کیا ہی نہ جائے چنانچہ ریذیڈنٹ اور حکومت ہند کی سازش سے وقارالامرار کو سالارجنگ کا شریک مختار بنادیا گیا۔ سالارجنگ نے اول اول مخالفت کی لیکن ان کو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر تم حکومت کی اس تجویز سے اتفاق نہ کروگے تو تم کو قید کرکے ملک بدر کر دیا جائیگا مجبوراً سالارجنگ کو اتفاق کرنا پڑا اور سکندرآباد میں برطانی افواج کے حلقہ میں ۱۹ ستمبر ۱۸۷۷ء کو دربار کیا گیا اور اس میں وقارالامرار کے شریک مختار ہونے کا اعلان

کردیا گیا۔ ہم لارڈ لٹن اور اس کے دفتر خارجیہ پر اس بات کا الزام رکھتے ہیں کہ اس نے کیوں ایسے اشخاص کو وزیر بنایا جس میں اس عہدہ کی اہلیت بالکل نہ تھی اور جس نے رزیڈنٹ کی بیوی کو رشوت دینے کی جرارت کی تھی اور اس کی پاداش میں اس کو ایک عرصہ تک ملکی زندگی سے محروم کردیا گیا تھا۔ یہ شخص سالار جنگ کی اصلاحات کا بالکل مخالف تھا۔ ایسے شخص کو مقرر کرکے حکومت ہند نے اپنے وفادار دوست کو بہت بڑا نقصان پہنچایا۔

وقار الامراء کے تقرر کے بعد ہی حکومت ہند کے منشاء کے مطابق کام ہونے لگا۔ سالار جنگ کے اوپر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ برار کا مطالبہ محض اپنے اعزاز کو بڑھانے کے لیے کرتے ہیں۔ چونکہ وہ اپنی اصلاحات کی وجہ سے امراء میں مقبول نہیں ہیں اور نظام بھی ان کو نہیں چاہتے، اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ برار کی واپسی کا سہرا انھیں کے سر رہے اور اس طرح وہ نظام اور امراء سلطنت کی نظروں میں معزز ہو جائیں۔ وقار الامراء نے یہ مشہور کرنا شروع کردیا کہ امیر کبیر شمس الامراء ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ برار واپس کردیا جائے وہ تو محض ضابطہ کی کارروائی پوری کرنے کے لیے اپیلوں پر دستخط کردیا کرتے تھے۔

جب رزیڈنٹ نے وقار الامراء کو سالار جنگ کے راستہ میں کھڑا کردیا تو اس نے مسٹر آلی فینٹ کو جو سالار جنگ کا سکریٹری تھا زبردستی الگ کروادیا اور اس طرح سالار جنگ سے ایک بہت بڑا ہتھیار چھین لیا۔ جب سالار جنگ ہر طرح نہتے کردیے گئے تو وزیر ہند کے پاس سے ۲۴ر مارچ ۱۸۸۲ء کو یہ جواب آیا کہ جب تک نظام نابالغ ہیں اس وقت تک برار کے مسئلہ کو نہ چھیڑا جائے۔

یہ ہے مختصر سی کیفیت اس واقعہ کی جس کی نظیر کسی تاریخ میں نہیں مل سکتی اور کسی قوم کے افراد نے اور کسی حکومت کے ارکان نے اپنے فائدہ کی غرض سے کمزوروں پر اسقدر زیادتی نہیں کی کہ نظام سے ایک ملک بیکر فوج رکھی اور ضرورت کے وقت مدد نہ دی۔ پھر اندرونی بغاوت کے وقت اس کے ایک وزیر کو ملاکر اس سے دوسری فوج رکھوائی جس کے مصارف اس قدر رکھے کہ وہ دیتے دیتے عاجز آگیا جب یہ صورت ہوئی تو زبردستی برباد کر ڈالنے اور فنا کر دینے کی دھمکی دیکر ایک ملک اور لیا اور اطمینان دلایا کہ محض عارضی طور پر لیا جا رہا ہے پھر جب اس ملک کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تو مطالبہ کرنے والوں کو ہر طرح کی دھمکیاں دیں اور جب وہ اس سے بھی باز نہ آئے تو ان کے راستے اس طرح مسدود کردیے کہ وہ مطالبہ کرہی نہ سکیں اور ریاست میں اسقدر بدانتظامی پھیل جائے جس سے دنیا والوں کے سامنے یہ کہا جاسکے کہ ہمارے ماتحت رعایا کو امن کی عادت ہوگئی ہے۔ ایسی بدنظم ریاست میں ہم ان کو کیسے واپس دیدیں۔



(از مولانا ظفر علی خاں مالک اخبار زمیندار لاہور)

رندوں کو میری آنکھ کا ساقی اشارہ ہو
پھر کیوں نہ محتسب کی روا پارہ پارہ ہو

نکلا ہے ڈوب کر جو افق پر بصد فروغ
شاید یہ اے دکن نہ ترا ہی ستارہ ہو

آثار تو یہی ہیں کہ نکلیں اجارہ دار
اور یک قلم برار کا منسوخ اجارہ ہو

چھینا ہوا جو حق ہے وہ حقدار کو ملے
کتنا ہی خواہ اس میں کسی کا خسارہ ہو

ہاتھ آئے پھر یہ گم شدہ لولوئے شاہوار
تاجِ نظام اس سے مکمل دوبارہ ہو

اپنا ہی باغبان جو گلشن کو ہو نصیب
کس درجہ دلفریب پھر اس کا نظارہ ہو

۱۸۵۳ء کا معاہدہ تفویض برار کس طرح ہوا

نواب ناصر الدولہ بہادر اور رزیڈنٹ کی گفتگو

ذیل میں اس اہم خط (نمبرا، مورخہ ۷ مئی ۱۸۵۳ء) کا اقتباس دیا جاتا ہے جس میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ جنرل لو نے حکومت ہند کے محکمۂ خارجیہ کو معاہدۂ تفویض برار کے متعلق نواب ناصر الدولہ بہادر مرحوم سے اپنی گفتگو کے مفصل حالات کی اطلاع دی ہے (ایڈیٹر)

جناب عالی۔ میں نے جو خط نمبر ۲ آپ کو کل لکھا تھا اس کے آخری حصہ کے سلسلہ میں آپ کو اس گفتگو کی کیفیت لکھتا ہوں جو میرے اور نظام کے ابین جدید معاہدہ کے مابین ہوئی۔

اس اہم مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے ۲۳ اپریل بروز سنیچر شام کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ میں وقت معینہ پر پہونچ گیا اور گفتگو کے وقت ملاقات کے کمرے میں میرے اور نظام کے سوا کوئی نہیں تھا۔

قبل اس کے کہ میں اس گفتگو کا ماحصل آپ کو لکھوں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جب میں نے نظام کو دیکھا تھا تو وہ بہت برہم تھے۔ چہرہ کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں سوجھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ خیال تھا کہ شاید یہ کیفیت سرور کی وجہ سے ہوگی لیکن گفتگو سے یہ پتہ چلا کہ یہ حالت سرور کی وجہ سے نہ تھی بلکہ جب بعد میں معلوم ہوا، رات بھر جاگنے اور جدید معاہدہ کے متعلق اپنے ارکان سلطنت سے حالت غصہ میں بات چیت کرنے کی وجہ سے ہوگئی تھی بہرحال ظاہرا حالت کیسی بھی ہو مگر ان کی سمجھ اور قوت گویائی میں کسی قسم کا فرق نہ تھا۔ برخلاف اس کے میں نے ان کو اس سے قبل کبھی اپنے دلایل پیش کرنے میں اس قدر درست اور گفتگو میں اس قدر تیز نہیں پایا۔ البتہ ان کی حرکات سے ایک قسم کی تند مزاجی پائی جاتی تھی اور کئی مرتبہ دوران گفتگو میں انھوں نے بہت چیخ چیخ کر باتیں کیں۔

میں نے پچھلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے گفتگو شروع کی کہ اعلیٰ حضرت کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے ذکر کیا تھا کہ کلکتہ سے ایک نئے معاہدہ کا مسودہ آرہا ہے یا کم سے کم یہ تو ضرور یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے پاس اس قسم کے احکامات آنے والے ہیں کہ میں آپ کے سامنے اس قسم کے معاہدہ کا مسودہ پیش کروں۔ اعلیٰ حضرت نے یہ سن کر جواب دیا کہ ہاں تم نے مجھ سے ایک نئے معاہدہ کا ذکر کیا تھا لیکن یہ ہرگز نہ کہا تھا کہ اس قسم کا معاہدہ پیش کیا جانے والا ہے اور یہ بات ہرگز نہ کہی تھی کہ تم مجھ سے ایک بڑی ریاست کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ کے لیے طلب کروگے۔ اعلیٰ حضرت نے لفظ "ہمیشہ" کے اوپر بہت زور دیا۔ اس کے بعد انہوں نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں نے کبھی انگریزی حکومت کے ساتھ جنگ کی ہے۔ یا کبھی ان کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوا ہوں یا کبھی ان کے ساتھ اشتراک عمل کرنے اور ان کی ہر مرضی کو پورا کرنے کے سوائے کچھ کیا ہے جو اس طرح میری اہانت کی جا رہی ہے۔

اس کے جواب میں میں نے ایک لمبی تقریر کی اور اپنی پوری قوت اعلیٰ حضرت کو اس بات کے سمجھانے میں صرف کردی کہ اس قسم کے معاہدہ کرنے میں کوئی ذلت نہیں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے خیال کی تردید میں کچھ نہ سنیں گے اور بعض کلمات کا بار بار اعادہ کرتے رہے مثلاً یہ کہ ایک حاکم کے لیے دو کام بہت ذلیل ہیں۔ ایک یہ کہ بلا ضرورت ریاست کا کوئی حصہ دوسرے کو دیدیا جائے اور ایک یہ ہے کہ اس فوج کو موقوف کردیا جائے جس نے بہادری اور وفاداری کے ساتھ اس کی خدمت کی ہو۔ اس گفتگو کے دوران میں جو تقریباً تین گھنٹے رہی نظام نے اس بات کو کم سے کم تین مرتبہ کہا اور جب میں نے تفصیل سے ان کو سمجھانا چاہا کہ اس امر میں کوئی ذلت کی بات نہیں ہے اور فوج کو باقاعدہ رکھنے اور اس کی تنخواہیں وقت پر ادا کرنے کے لیے اس کی سخت ضرورت ہے کہ کچھ زمین ہمارے قبضہ میں دیدیجائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ میں صرف قرضہ ہی نہیں اتار دوں گا بلکہ اس قسم کا انتظام کردوں گا کہ فوج کو اسی طرح باقاعدہ تنخواہ ملتی رہے گی جیسی کہ سکندرآباد کی فوج کو ملا کرتی ہے۔

اس موقع پر میں نے وہ تمام دلیلیں جو اپنی ہدایات میں آپ نے مجھے لکھکر بھیجی تھیں اور وہ جو بروقت میری سمجھ میں مناسب معلوم ہوئیں میں نے پیش کیں اور یہ بھی بتایا کہ اعلیٰ حضرت کو ان تمام پریشانیوں سے یک لخت نجات مل جائے گی جو اس فوج کی ماہواری تنخواہ کے ادا کرنے کی وجہ سے ایک مدت سے لاحق ہو رہی ہیں مثال میں میں نے سکندرآباد اور جالنہ کی فوج کو پیش کیا کہ آپ ان کی طرف سے کس قدر مطمئن اور بےفکر ہیں

اس لیے آپ کو اخراجات برداشت نہیں کرنے پڑتے۔ کیونکہ آپ اس کے عوض میں علاقہ جات تفویض کر چکے ہیں۔ لیکن نظام نے یہ بھی جواب دیا کہ ہم سب قرضہ ادا کریں گے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر حکومت کو پوری رقم فی الفور دی گئی تو لینے سے انکار نہیں ہے لیکن سب سے زیادہ مفید صورت تو یہی تھی کہ ۲۴ لاکھ روپیہ جو آپ ہمیں دے رہے ہیں آپ اس سے اپنی فوج اور اپنے دیگر حکام کی تنخواہیں دے ڈالئے کیونکہ ان کی تنخواہیں بہت چڑھی ہوئی ہیں اور اس وجہ سے وہ اپنے دلوں میں باغیانہ خیالات پکا رہے ہیں تنخواہ مل جانے پر وہ پھر مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے۔ لیکن کسی دلیل نے اعلیٰحضرت کو اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا معاہدہ کریں۔

خیر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی گفت و شنید کے بعد اعلیٰ حضرت نے معاہدہ کی دفعات کو سننے پر آمادگی ظاہر کی۔ احتشام الملک نے معاہدہ کا مسودہ پڑھ کر سنایا۔ جب معاہدہ کا پہلا حصہ سن چکے جو یہ ہے کہ۔

"فریقین میں ایک عرصہ سے فوج کے مسئلہ پر گفت و شنید ہو رہی ہے اور اس بنا پر ایک حد تک اختلاف ہو گیا ہے اس لیے دونوں کے حق میں یہی مناسب ہے کہ ہمیشہ کے لیے ان اختلافات کو صاف کر دیا جائے اور اس قسم کے اختلافات کے اعادہ کو جو دوستانہ تعلقات میں فرق ڈالتا ہے ہمیشہ کے لیے روک دیا جائے"

تو کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ گورنر جنرل نے یہ معاہدہ اس بنا پر تجویز کیا ہے کہ جو اختلافات ہمارے اور ان کے درمیان فوج کے مسئلہ پر پیدا ہو گیا ہے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ لیکن میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ میں اسی بات کا انتظام کر رہا ہوں کہ فوج کو اس کی تنخواہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مل جایا کرے جیسا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو ملا کرتی ہے

اس پر میں نے اعلیٰ حضرت سے کہا کہ آپ نے اس سے قبل جنرل فریزر سے اسی قسم کا وعدہ کیا تھا لیکن پورا نہیں کیا تو اعلیٰ حضرت نے کہا میں نے ہرگز اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا جیسا اب کر رہا ہوں۔ اور اب تم سے وعدہ کرنے کو تیار ہوں اور دوسروں کو ضمانت میں پیش کرتا ہوں (شاید یہاں دوسروں سے مراد ساہوکار ہوں) اور اسی دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ علاوہ ان تمام باتوں کے اب صورت حال بالکل بدلی ہوئی ہے۔ پہلے وعدے دیوان کی طرف سے تھے اور فریزر کے زمانہ میں میرے سامنے اس معاہدہ کے مانند کوئی چیز نہیں پیش کی گئی تھی (یہ کہتے وقت اعلیٰ حضرت اس معاہدہ کی طرف خوف کی نگاہوں سے دیکھتے جاتے تھے) اعلیٰ حضرت مسودہ کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ جب دفعہ (۶) پر پہونچے تو بہت بلند آواز میں اعتراض کیا اور وہی دلیلیں پیش کیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میں نے بھی اس کے جواب میں اپنے دلایل کو دہرایا جن کا اعادہ فضول ہے۔

اس گفتگو کے دوران میں اعلیٰ حضرت نے کئی مرتبہ اس طرح منہ بنا کر "واہ" کہا کہ جس سے ایک قسم کی درشتی ٹپکتی تھی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے میری ذاتی توہین مقصود نہ تھی۔ وہ چند وجوہات کی بنا پر اس درجہ برہم تھے کہ ان کو اپنی حرکات اور الفاظ پر پورا اقتدار نہ رہا تھا۔

اب نظام نے سب کو باہر جانے کا حکم دیا اور ایک مرتبہ پھر تخلیہ ہو گیا اور اس مرتبہ انھوں نے ذاتی مہربانی کی بنا پر اس امر کا اشارہ کیا کہ میں گورنر جنرل کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں کہ وہ نئے معاہدہ کے خیال کو ترک کر دیں اور گورنر جنرل کو یہ لکھوں کہ اعلیٰ حضرت کے الفاظ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس امر کا اطمینان کر لیں کہ آیندہ رقوم کی ادائیگی بالکل باقاعدگی کے ساتھ کی جائے گی۔ میں نے جواب دیا کہ میں ہرگز یہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد نظام نے ایک بے ترتیب سی تقریر کی جس کو میں ہرگز نہیں لکھ سکتا لیکن اس کا خلاصہ اس خیال سے درج کرتا ہوں کہ اس کو پڑھ کر نظام کے متعلق زیادہ صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ:—

"بعض لوگ ایسے حالات میں پیدا ہوتے ہیں جو دوسروں کے حالات سے اس درجہ مختلف ہوتے ہیں اور ان کو اس قدر مختلف فرائض انجام دینا پڑتے ہیں کہ ایک حالات کے لوگ دوسرے حالات کے لوگوں سے قطعی ہمدردی نہیں کر سکتے اور ان کے جذبات کا بالکل لحاظ نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر ان لوگوں کو لے لیجئے جو آپ کے مانند ہیں۔ کبھی یورپ میں ہیں۔ کبھی ہندوستان میں۔ کبھی گورنمنٹ کی نوکری کر رہے ہیں۔ کبھی فوج میں سپاہی بنے ہوئے ہیں۔ کبھی ملاحی کرتے ہیں تو کبھی بازرگانی تک میں مشغول ہیں (میں نے سنا ہے کہ آپ کے طائفہ کے لوگ سوداگر بھی رہے ہیں) ایسے لوگ اس معاملہ میں میرے جذبات کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں اس ریاست کا حاکم ہوں۔ میں یہاں اس لیے پیدا ہوا ہوں کہ یہیں رہوں اور یہیں مروں۔ اس سرزمین میں جو سات پشتوں سے میرے خاندان کی ملک چلی آ رہی ہے کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ میں اپنی ریاست کا ایک حصہ ہمیشہ کے لیے تمہیں دے کر خوش ہوں گا۔ بالکل ناممکن ہے۔ میں ہرگز خوش نہیں ہو سکتا میں اس میں اپنی ذلت سمجھتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے طائفہ میں سے بعض کا خیال ہے کہ اگر مجھے محمد غوث خاں (نواب ارکاٹ) کی طرح محض ایک بڑے نوکر کی حیثیت سے پنشن دے کر رکھا جاتا تاکہ میں صرف کھانے اور سونے ہی میں اپنی زندگی گزار دیتا۔ تب بھی مجھے بالکل مطمئن اور خوش ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر عربی میں کچھ کہا جس سے تعجب اور غصہ کا اظہار مقصود تھا اور ایسے لہجے میں کہا جس سے بہت زیادہ برہمی مترشح ہوتی تھی۔ جوش فرو ہونے کے بعد اعلیٰحضرت نے مجھ سے کہا کہ شاید تم میرے سمجھنے میں اس قسم کی غلطی نہ کرو گے۔ لیکن تم بھی میرے جذبات کو جو بہ حیثیت ایک حاکم کے میرے سینہ میں ہیں نہیں سمجھ سکتے۔ تم نے مجھے یہ سمجھایا کہ معاہدہ منظور کر لینے کی صورت میں مجھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کی بچت ہوتی ہے اور تم اپنی دانست میں سمجھے کہ یہ ایک بہت ہی پسندیدہ چیز پیش کی گئی لیکن یقین مانو کہ اگر اس سے چوگنا بھی بچنا ممکن ہو تب بھی مجھے چین نصیب نہ ہوگا۔ کیونکہ اپنی مملکت کے ایک علاقہ کو دے دینے میں میری عزت پر حرف آتا ہے۔

اس کے بعد نظام نے کہا کہ یہ ایک بہت ہی عجیب بات ہے کہ تم مجھ سے ریاست کا ایک

علاقہ مانگتے ہو حالانکہ الفاف کی رو سے تو تم کو مجھے دینا چاہیئے تھا۔ اس لیئے تم نے کرناٹک میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جو محمد علی سے لیا گیا تھا۔ محمد علی حیدرآباد کے باجگذار تھے۔ میں نے مختصر الفاظ میں نظام کو جواب دیا کہ کرناٹک کی زمین میں آپ کو ایک ایکڑ کا بھی حق نہیں پہونچتا۔ کیونکہ محمد علی ہماری لڑائی سے بہت پہلے حیدرآباد سے آزاد ہو چکے تھے۔ اور ہم سے اور دوسری قوتوں سے معاہدے کر چکے تھے۔ جن میں آپ کے دادا نظام علی خاں سے بالکل مشورہ نہیں لیا گیا تھا اس بات کی نظام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ کہنے لگے کہ میرے مچھلی پٹم اور چکاکول کے حصہ کا کیا ہوا اور میرے سات لاکھ روپیہ سالانہ کا کیا ہوا جو میرے دادا نے ان سرکاروں کے عوض میں لینا منظور کیا تھا۔ میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ مجھے یہ سات لاکھ روپے سالانہ نہیں دئے جاتے۔

آخری مسئلہ کے متعلق میں نے نظام کو یاد دلایا کہ پیش کش مذکور ایک کروڑ اور چند لاکھ روپیہ نقد ولیم پامر کمپنی کا قرض ادا کرنے کے بدلے میں بند کی گئی تھی۔ اور یہ وہ رقم تھی کہ جس سے آپ کے والد نے فوج (کنٹیجنٹ) کے اخراجات برداشت کئے تھے۔ اس موقعہ پر میں نے یہ بھی کہا کہ اگر ابتدا ہی سے کچھ علاقہ فوج کے اخراجات کے لیے دے دیا جاتا تو وہ تکلیف جو پیش کش کے بند ہونے اور موجودہ گفتگو کے پیش آنے سے ہو رہی ہے نہ ہوتی۔ اور یہ کہکر میں نے ایکمرتبہ پھر زور دیا کہ اعلیٰ حضرت اس معاہدہ کو منظور کرلیں کیونکہ اس مشکل کے موقع پر اس سے بہتر اور کوئی روش نہیں اختیار کی جاسکتی۔

اس پر نظام نے بہت رنجیدہ الفاظ میں شکایت کی ولیم پامر کمپنی نے ان کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ مچھلی پٹم اور چکاکول کی پیشکش کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھیں اور یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ سات لاکھ سالانہ کا نقصان نہ تھا بلکہ عزت کا نقصان تھا کیونکہ ایک ریاست کی آمدنی کا ضایع ہونا ملک نکل جانے کے ہم معنے ہے۔ پھر کچھ اسی قسم کی اور بے جوڑ باتیں کہیں کہ اگر میرے دادا نظام علی جو کہ ایک ذہین آدمی تھے زندہ ہوتے تو وہ آپ سے خوب سمجھتے اور آپ کی تمام دلیلوں کو توڑ کر رکھ دیتے۔ لیکن بدقسمتی سے اب وہ اس وقت موجود نہیں ہیں۔ ان کی وفات کے بعد میرے خاندان کی قابلیت اور قسمت دونوں انحطاط پذیر ہو گئیں۔ میں نے نظام سے کہا کہ اگر آپ سوچ سمجھکر کام کریں تو اب بھی وہی حالت واپس آسکتی ہے۔ میں نے اس بات کی بھی خواہش ظاہر کی کہ آپ ایک مرتبہ اور اس مسئلہ پر پورا غور و خوض کریں اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے سرلیع الملک اور دیگر عہدہ داروں کو بلا لیا۔

میں ان دیسی عہدہ داروں کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ انہیں کے سامنے نظام نے فوج کے متعلق اپنا بیان دیا جس کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اب برٹش گورنمنٹ کا یہ حق ہو گیا ہے اور ایک اہم فرض ہو گیا ہے کہ وہ اس بات پر زور دیں کہ فوج کے اخراجات کا ایک معقول انتظام کر دیا جائے۔ ان عہدہ داروں میں سے کوئی شخص نہ بولا شاید ان کو حکم ہی ہو گا۔

مجھے چونکہ اندیشہ یہ ہوا کہ اگر نقطہ دوم پر زور دیا گیا تو ممکن ہے کہ یہ گفتگو بالکل ناکام رہے اس لیے میں نے کہا کہ معاہدہ کے اس حصہ کے متعلق مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں حسب ضرورت ترمیم کر دوں۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ اگر اعلیٰ حضرت مناسب سمجھیں تو یہ علاقہ جات ایک خاص مدت کے لیے دیدئے جائیں تا کہ اس وقت تک فوج کے اخراجات ان سے نکالے جاسکیں جب تک کہ اس فوج کی ضرورت محسوس کیجائے اور اگر نظام کا خیال یہ ہو کہ اب ضرورت اس فوج کی نہیں رہی تو گورنر جنرل بتدریج اس فوج کو بالکل موقوف کر دیں گے بصورت یہ ہوگی کہ نا قابل لوگوں کو علحدہ کر دیا جائیگا جو بڈھے ہو گئے ہیں ان کو پنشن دے کر علحدہ کر دیا جائے گا۔ اور جبکہ یہ فوج ایک مدت قلیل میں بالکل موقوف ہو جائے گی تو نظام ان علاقہ جات کو واپس لے سکتے ہیں میں نے یہ بھی بیان کر دیا کہ میری حکومت کا منشا یہ نہیں ہے کہ فوج کے اخراجات کے لیے ہمیں بہت زیادہ زمین دی جائے اسی لیے نئے معاہدہ کی رو سے موجودہ تعداد سے کم از کم (۱۴۰۰) آدمی کم کر دئے جائیں گے تاکہ تھوڑی سی زمین ان اخراجات کی کفالت کر سکے۔ اگر موجودہ تعداد کمی جائے تو اخراجات کے لیے زمین کا ایک بہت بڑا حصہ درکار ہو گا۔ اس پر نظام نے صاف صاف کہا کہ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم گورنر جنرل کو لکھو کہ میری ہرگز یہ مرضی نہیں کہ فوج کی موجودہ تعداد میں کمی کی جائے میں ان کو تنخواہ دینے کی قابلیت رکھتا ہوں اور اب باقاعدہ ہر ماہ ادا کرنے پر تیار ہوں اور میں اس بات کا خود عہد کرتا ہوں اور اس عہد کو وزیر کے مواعید سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر میں آج سے چار ماہ کے عرصہ میں اپنے وعدہ کو پورا نہ کر سکوں تو تم علاقہ جات پر قبضہ کر سکتے ہو لیکن جب تک کہ میری طرف سے وعدہ کی خلاف ورزی نہ ہو گورنر جنرل کو کوئی حق نہیں کہ مجھ سے نیا معاہدہ لے کر یا میری ریاست کا کوئی حصہ انگریز حکام کے تحت میں لیکر مجھے ذلیل کرے۔

اس غرض سے کہ کسی امر کی نسبت کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہ جائے اور جو دیسی امرا موجود تھے ان کے ذہن میں یہ بات پوری طرح جم جائے۔ میں نے اس تقریر کو دہرایا اور نظام سے دریافت کیا کہ کیا آپ یہ پیغام گورنر جنرل کو بھیجنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اور ان الفاظ کو دہرایا کہ اگر میں اپنے وعدہ کو پورا کرنے میں ناکام رہوں تو آپ جو چاہیں کریں اور علاقہ جات پر قبضہ کرلیں۔

برار سے خطاب

از جناب جوش ملیح آبادی

راہ پر پھر آسمانِ فتنہ ساماں آئے گا
مژدہ ای جوشِ تنک مایہ، کہ طوفاں آئے گا

یوں نہ آہیں بھر کہ پھر اِس محفلِ خاموش میں
یار مثلِ ابر، رقصانِ غزلخواں آئے گا

سبزۂ خوابیدہ کو سرسبز رکھ ہاں ای برار
پھر پئے گلگشت سلطانِ گلستاں آئے گا

شعلِ امید روشن رکھ، مریضِ جاں بلب!
تیرے غم خانے میں پیکِ آبِ حیواں آئے گا

دھو نہ بام و در کی نقاشی کہ پھر اِس قصر میں
گنگناتا قاصدِ شمعِ شبستاں آئے گا

شل نہ کر شانوں کو ماتم سے کہ کل اس راہ میں
پھر کسی گلکاروانِ زلفِ پیچاں آئے گا

سرو و سنبل کی نگہداری سے ناداں! ہوشیار
اس چمن میں پھر پیامِ ابرِ باراں آئے گا

جل گئیں کلیاں تو کیا پروا کہ پھر وہ لالہ رخ
صد گلستاں بر تن و صد گل بداماں آئے گا

شیب کو دل پر نہ چھانے دے کہ پھر کچھ دن کے بعد
تیرے پہلو میں شبابِ فتنہ ساماں آئے گا

ASHRAF ALI

لارڈ کرزن کا دوامی پٹہ

سنہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ

اعلیٰ حضرت غفران مکاں نے مسند آرائے سلطنت ہونے کے بعد استرداد برار کے مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور انگریزی حکومت کے ساتھ نہایت درجہ کی وفاداری کا اظہار کرتے رہے انھوں نے افغانستان اور مصر کے مسائل میں اپنی فوجی امداد انگریزی حکومت کو پیش کی سنہ ۱۸۸۵ء میں جبکہ روس کا خطرہ بڑھ رہا تھا تو مرحوم نے سرحد کی حفاظت کے لیے ۶۰ لاکھ روپیہ اور ایک کثیر فوج سے حکومت کی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا کہ اگر ضرورت ہو تو میں بذات خود میدان جنگ میں جاؤں گا۔

اعلیٰ حضرت کے اسی پیش کش سے امپیریل سروس ٹروپس کا تخیل پیدا ہوا سنہ ۱۸۹۲ء میں انھوں نے امپیریل گورنمنٹ کی مدد کے لیے ۸۰۰ سواروں کا ایک رسالہ قایم کیا۔ اور دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء میں برٹش گورنمنٹ سے یہ سمجھوتہ کیا کہ جب کسی میدان جنگ میں ان کی فوج جائے گی تو وہ انگریزی افواج کے تاید اعلیٰ کے ماتحت رہے گی۔

اس وفاداری اور استرداد برار کے حق میں بے اعتنائی کا یہ انعام ملا کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے خود مسئلہ برار کو چھیڑا اور انہیں ناجائز طریقوں سے جو پہلے ڈلہوزی اختیار کر چکا تھا، برار کا دوامی پٹہ حاصل کر لیا۔ یہ کارروائی جس طریقہ سے عمل میں لائی گئی اس کی صحیح کیفیت ظاہر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ۵۰ سال پہلے کے واقعات سے اس کا سلسلہ جوڑا جائے۔

دوامی تفویض کیلئے پہلی کوشش

سنہ ۱۸۵۳ء میں جب تفویض برار کے معاہدہ کی گفتگو کا آغاز کیا گیا تھا تو ابتداءً حکومت برطانیہ کا مطالبہ یہ تھا کہ برار کو ہمیشہ کے لیے اسکے حوالے کر دیا جائے۔ ۳۰ مارچ سنہ ۱۸۵۳ء کو لارڈ ڈلہوزی نے مجوزہ معاہدہ کا جو مسودہ کرنل لو کے نام بھیجا تھا اس کی دفعہ ۶ کے الفاظ یہ تھے۔

"مذکورہ بالا حیدرآباد کنٹیجنٹ کے مصارف کی باقاعدہ ادائیگی کے لیے ہز ہائینس نظام اس معاہدہ کے ذریعہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو دوامی طور پر وہ تمام اضلاع سپرد اور تجویز کرتے ہیں جن کے نام اس معاہدہ سے منسلک ضمیمہ میں دئے گئے ہیں"۔

جب یہ مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے سب سے زیادہ جس چیز کی مخالفت کی وہ یہی دوامی تفویض تھی اس کے خلاف ان کی ناراضی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ انگریزی سلطنت کی شدید دھمکیوں کے باوجود اس کو قبول کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کرتے رہے اور انگریزی رزیڈنٹ کو یقین ہو گیا کہ اگر اس پر زیادہ زور دیا گیا تو اعلیٰ حضرت معاہدہ ہرگز نہیں کریں گے۔ تب اس نے "دوامی طور پر" کے الفاظ نکال دئے اور اس شرط پر معاہدہ کیا کہ جب تک کنٹیجنٹ کی ضرورت رہے گی اس وقت تک برابر انگریزی انتظام میں رہے گا مگر کرنل لو اپنے ۴ مئی سنہ ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ

"میں نے جب دیکھا کہ لفظ "دوامًا" inperpetuity. سے نظام کی ناراضی انتہا درجہ کو پہونچی ہوئی ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ میں نے اس لفظ پر زیادہ اصرار کیا تو تمام گفت و شنید ہی ناکام ہو جائے گی تو میں نے یہ اعلان کیا کہ اس اسکیم کا یہ حصہ ایسا ہے جس کے متعلق میری حکومت نے مجھے آزادی دی ہے کہ اگر ضروری ہو تو اسے بدل دوں اور میں نے باضابطہ (formally) یہ اعلان کر دیا کہ اگر ہز ہائینس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع کنٹیجنٹ کی پرورش کی غرض سے محض اس وقت تک کے لیے تفویض کئے جا سکتے ہیں۔ جب تک انھیں اس کی (یعنی کنٹیجنٹ) کی ضرورت رہے اور مزید برآں میں نے کہا کہ اگر ہز ہائینس مجھ سے یہ خواہش ظاہر کریں کہ وہ اس فوج کی ضرورت نہیں سمجھتے تو گورنر جنرل ان کو بتدریج تخفیف کر کے کلیۃً برطرف کر دینگے اور جب یہ ساری فوج توڑ دی جائیگی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام ان اضلاع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں"۔ [1]

دوامی تفویض کیجانب دوسرا قدم

اس طرح تفویض کے محض عارضی ہونے کا اطمینان دلا کر سنہ ۱۸۵۳ء میں برار پر قبضہ حاصل کیا گیا تھا جب یہ ابتدائی مرحلہ طے ہو گیا تو سات سال بعد اس مقصد کی جانب دوسرا قدم بڑھایا گیا سنہ ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے نواب افضل الدولہ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ملک برار کو کمشنری ناگپور سے ملحق کرنے کی اجازت دیدیں۔ اور ملک کی آمدنی میں سے منافع کا مطالبہ ترک کر دیں سر سالار جنگ نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو تفویض برار کی بالکل وہی حیثیت ہو جائے گی جو بلاری کے علاقہ کی ہے [2] اور اس طرح "الحاق" اور "تفویض" میں کچھ فرق نہ رہیگا اس معقول اعتراض کا حکومت ہند کے پاس کوئی

---

[1] Hyderabad offairs Vol 11. P. 60S

[2] کرنل ڈیوڈسن کا مراسلہ مورخہ ۱۲ اگست سنہ ۱۸۶۰ء نمبر ۷۶ صیغہ خارجہ۔

جواب نہ تھا۔ اس لیے اس نے تحریص و اطماع سے کام نکالنے کی کوشش کی اور سرکار نظام کو رزیڈنٹ کی معرفت لکھا کہ :—

گورنر جنرل باجلاس کونسل ان اضلاع کو کلیتہً نظام کے مقبوضات کا ایک حصہ سمجھتے ہوئے اور برٹش گورنمنٹ کے کسی ضلع میں ان کو ضم کرنے سے احتراز کرتے ہوئے محض انتظامی آسانی اور خرچ کی کفایت کے لیے یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کمشنر ناگپور کی نگرانی میں دیدیں اس طریقہ سے جوڈیشل کمشنر کا عہدہ توڑ دیا جاسکیگا اضلاع مفوضہ کے انتظام کے لیے دوسرا عملہ جو حیدرآباد میں رکھا جاتا ہے اسے بھی موقوف کیا جاسکے گا۔ اور بہت سی دوسری تخفیف مصارف سے متعلق اصلاحیں عمل میں لائی جاسکیں گی[1]

لیکن اس اطماع کا بھی حضور نظام پر کچھ اثر نہ ہوا اور جب ان پر زیادہ زور ڈالا گیا تو انہوں نے صاف کہا کہ تم ہمیں ایسے امور کو قبول کرنے پر مجبور کرتے ہو جن کو ہم نہیں چاہتے اور ملکہ معظمہ کے اعلان کے باوجود تمہاری حکومت ہمارے ساتھ پھر وہی جابرانہ سلوک کرنا چاہتی ہے جس کی بدولت اس سے پہلے ہم سالہا سال تک مالی مشکلات میں مبتلا رہے ہیں[2]۔ انگریزی حکومت تہیہ کر چکی تھی کہ سر جان میلکم کی پرانی اسکیم کے مطابق برار، ناگپور، ساگر اور نربدا کے علاقوں کو ملا کر ایک صوبہ متوسط قایم کر دے اور یہاں تک طے ہو چکا تھا کہ اس جدید صوبہ کا پہلا لفٹننٹ گورنر حکومت ہند کے معتمد امور خارجہ مسٹر سیسل بیڈن کو بنایا جائے مگر جب دیکھا کہ نظام اس نقطہ پر اتنی سختی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں کہ تخویف اور ترغیب کے بغیر اپنی مرضی وخوشی سے اس کو نہ چھوڑیں گے[3] تو حکومت ہند نے کسی دوسری فرصت کے لیے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا اور بلا واسطہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے بجائے بالواسطہ حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔

[1] مسٹر ٹنگ ڈپٹی سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر ۳۸۸۹ صیغہ خارجہ۔
[2] کرنل ڈیوڈسن کا مراسلہ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۰ء صیغہ خارجہ۔
[3]

یہ بالواسطہ حصول مقصد کا طریقہ یہ تھا کہ آمد و خرچ کا حساب پیش کرنے کی شرط ۱۸۵۳ء میں لگائی گئی تھی اڑا دی گئی اور حکومت کے لیے اس حق کو محفوظ کر لیا گیا کہ وہ برار کی آمدنی میں سے جتنا چاہے خرچ کرے۔ چنانچہ ۱۹ نومبر ۱۸۶۰ء کو حکومت ہند کے صیغہ خارجیہ کی جانب سے یہ تصریح کر دی گئی کہ :—

گورنر جنرل باجلاس کونسل اس بات پر راضی ہیں کہ اضلاع مفوضہ کی آمدنی میں سے نظم ونسق کے مصارف اور وہ اخراجات جو اس پر عاید کیے گئے ہیں وضع کر کے جو کچھ رقم بچے وہ سرکار نظام کو ادا کر دے مگر یہ رضامندی صرف اس مفاہمت پر ہے کہ اس مد میں برٹش گورنمنٹ کے لیے کھلا کر کی زیادہ سے زیادہ گنجایش رکھی جائیگی۔ اور ان اضلاع کے نظم ونسق کے لیے تمام وہ اخراجات جنہیں گورنمنٹ کے عہدہ دار مناسب اور ضروری سمجھیں گے انہیں قبل اس کے کہ کوئی فاضل باقی سرکار نظام کو ادا کیا جائے اس میں سے وضع کر لیا جائے گا اور سرکار نظام کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر ایک سال آمدنی سے خرچ زیادہ ہونے کے باعث گھاٹا آیا تو اسے دوسرے سال کی بچت سے پورا کر لیا جائے گا۔[1]

اس شرط کو نظام نے طوعاً و کرہاً منظور کر لیا اور ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی دفعہ چہارم میں یہ بات طے کر لی گئی کہ اخراجات کی مقدار کلیتہً برٹش گورنمنٹ کے اختیار تمیزی پر منحصر رہے گی[2]

برار کی بچت کسطرح ادا کی گئی

اس شرط کو منظور کرا لینے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ برار کے خزانہ سے جہاں تک ممکن ہوگا نظام کو بچت کا ایک پیسہ نہ دیا جائے گا معاہدہ طے ہوتے ہی دوسرے سال سے کنٹنجنٹ کے اخراجات تقریباً دوگنے کر دیے گئے۔ ڈلہوزی کے زمانہ میں تو صرف ۳۸ لاکھ سالانہ خرچ کیے جاتے تھے۔

[1] مسٹر ٹنگ کا مراسلہ نمبر ۵۷۶ صیغہ خارجہ۔
[2] Aitchison vol ix p. 105

اب ان کو بڑھا کر ۴۱ لاکھ کر دیا گیا (حالانکہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان ۲۴ لاکھ سے زیادہ نہ تھے) نظم ونسق کے مصارف ۲۸ فی صدی سے بڑھکر ۳۳ فی صدی ہوئے پھر ۵۰ فی صدی اور آخر ۵۶ فی صدی تک ان کو پہونچا دیا گیا۔ ۱۷۷۰۰ مربع میل رقبہ اور ۲۸۹۰۰۰۰ کی آبادی رکھنے والے صوبہ کا عملہ اس زمانہ میں صوبہ مدراس کے برابر تھا جس کی آبادی ۳ کروڑ ۸۲ لاکھ تھی اور جس کے حدود ڈیڑھ لاکھ مربع میل پر محیط تھے اس چھوٹے سے صوبہ کو ۶ اضلاع پر تقسیم کیا گیا۔ اور ہر ضلع میں ایک کلکٹر ۱۵ مددگار اور ۴۰ زاید مددگار رکھے گئے۔ اور اسی نسبت سے دوسرے محکموں میں بھی انتہا درجہ کی دریا دلی کے ساتھ فضول عملہ رکھا گیا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یار وفادار کو اس وقت تک ایک پیسہ نہ ملے جب تک وہ اپنے ملک کو کمشنری ناگپور سے ملحق کرنے پر راضی نہ ہو جائے!

برار کی آمدنی ۱۸۶۰ء تک ۳۲ لاکھ تھی دوسرے سال ۴۴ لاکھ ہوگئی ۱۸۷۰ء میں ۷۳ لاکھ ہوئی۔ اور ۱۸۹۵ء میں ایک کروڑ تک پہونچی۔ لیکن اتنی حیرت انگیز توفیر کے باوجود ۱۸۶۰ء سے ۱۹۰۲ء تک جو بچت کی رقم سرکار نظام کے لیے نکالی گئی اس کا اوسط ۹ لاکھ سے کبھی نہ بڑھا بلکہ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۷ء کے درمیان تو صرف ۷ لاکھ کا اوسط رہا اور ۱۸۹۶ء میں ایک پائی کی بھی بچت نہ نکالی گئی پھر مزید یہ کہ برار کی آمدنی میں سے ۴۰ لاکھ کی ایک رقم بغرض "اتفاقی ضروریات" کے لیے محفوظ بھی کر لی گئی، حالانکہ اسے ملک کے اصل مالک کے خزانہ میں پہونچنا چاہیے تھا۔

۱۸۹۰ء میں جب برار کی نئی جمعبندی ہونے والی تھی اور یہ امید تھی کہ اس میں اس صوبہ کی آمدنی ایک کروڑ ۱۶ لاکھ ہو جائے گی، تو یہ تجویز پیش کی گئی کہ کنٹنجنٹ کے مصارف ۳۵ لاکھ اور نظم ونسق کے مصارف ۵۰ لاکھ رکھ کر سرکار نظام کے لیے ۳۱ لاکھ کی بچت نکالی جائے لیکن اس تجویز کو انگریزی حکومت کے سرکاری حلقوں میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور یہ تجویز جہاں سے نکلی تھی وہیں دفن ہوگئی

ان پیہم حق تلفیوں پر جب سرکار نظام کی طرف سے شکایت کی گئی تو ۱۸۹۹ء میں لارڈ جارج ہملٹن (وزیر ہند) نے اس طرف توجہ کی اور

حکومت ہند کو لکھا کہ :-

"میں اس صورت حال کو قابل اطمینان نہیں سمجھ سکتا اور یور اکسلنسی کی حکومت کی خاص توجہ کے لیے اس معاملہ کو بدیں غرض پیش کرتا ہوں کہ کفایت شعاری کی ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جو برار کی مالی پوزیشن کو ایسی بنیاد پر قائم کرنے کے لیے قابل عمل پائی جائیں۔ جس سے نظام کو ادا کرنے کے لیے مخارج پر مداخل کی کافی زیادتی نکل آئے۔"

اس کے جواب میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ نے ایک طویل رپورٹ بھیجی جس کا خلاصہ یہ ہے :-

دونوں حکومتوں کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ ان شرائط پر از سر نو غور کیا جائے جن کے ماتحت برار کا موجودہ انتظام ہو رہا ہے تاکہ ہز ہائینس نظام کو ان کے ان اضلاع سے جو ہماری تفویض میں ہیں اس سے زیادہ باقاعدہ اور معین آمدنی دی جائے جتنی موجودہ معاہدہ کے تحت دی جانی ممکن ہے اس سے معاملہ میں معاہدہ کی شرائط کی پوری پابندی کی گئی ہے، مگر معاہدہ خود ہی ایسا ہے کہ نظم و نسق میں کسی کفایت شعاری کا موقع نہیں دیتا اور زیادہ بچت نکالنے سے روکتا ہے اب تک بڑی سے بڑی رقم جو کسی ایک سال میں ہز ہائینس کو دی گئی ہے وہ ۱۸۷۶ء میں ۱۹۷۳۰۰۰ کی رقم تھی چند سال ایسے گزرے ہیں جن میں کوئی بچت ہی نہیں نکلی اوسطاً ۱۸۶۰ء سے ۱۹۰۱ء تک قریب ۹ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم نظام کو دی گئی ہے زیادہ قریبی زمانہ میں تو ایسے حالات پیش آ گئے ہیں کہ آئندہ چند سال کے لیے بچت نکالنے کا موقع ہی نہیں رہا۔ بہرحال صاف ظاہر ہے کہ چالیس سال سے برار ریاست حیدرآباد کے لیے محض ایک غیر معین اور گھٹتی بڑھتی آمدنی کا ذریعہ رہا ہے اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس صورت حال میں کسی قسم کا تغیر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے"

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر نظام ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کو بدل کر حکومت ہند کی مرضی کے مطابق دوسرا انتظام کرنے پر راضی نہ ہوں گے تو جس طرح چالیس سال سے ان کو "غیر معین اور گھٹتی بڑھتی" آمدنی ملتی رہی ہے اسی طرح آئندہ بھی بس ایسی ہی ملتی رہے گی بلکہ آئندہ اتنی بھی ملنے کی امید نہیں ہے۔

ایک طرف قحط کے باعث سرکار آصفیہ کی مالی حالت حد درجہ خراب ہو رہی تھی۔ آمدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی نے اس کو سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اور اسے دو کروڑ کے قریب قرض لینا پڑا دوسری طرف وہ پرانا دوست جس کی مدد کے لیے نواب میر محبوب علی خاں مرحوم نے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم اپنی رعایا کی اور بوقت ضرورت خود اپنی جسمانی خدمات کے ساتھ پیش کی تھی۔ ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ ہم تمہارے ملک کے سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے تم کو اس شدید ضرورت کے موقع پر اس وقت تک ایک پیسہ نہ دوں گا جب تک تم میری ان شرائط کو نہ مان لو گے جنہیں تمہارے والد نے چالیس سال پہلے نامنظور کیا تھا۔

لارڈ کرزن کی کامیابی

یہ نازک حالت تھی جس میں برار کی آمدنی کے مسئلہ کو طے کرنے کے لیے سرکار نظام نے ۱۹۰۱ء میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا۔ جو چند مہینے تک چلتا رہا۔ آخر ۱۹۰۲ء کے اوائل میں لارڈ کرزن نے خود حیدرآباد جا کر اس کو طے کرنے کا قصد کیا اور ۲۰ مارچ کو اعلیٰ حضرت مرحوم سے وہ تاریخی ملاقات کی جس کا نتیجہ ایک سمجھوتہ کی شکل میں ظاہر ہوا اس سفر کا مقصد خود لارڈ کرزن ہی نے اپنے ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء کے ایک مراسلہ میں اس طرح بیان کیا ہے :-

امتداد زمانہ سے یہ (۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے) طے کئے ہوئے معاملات غیر مناسب بھی ہو گئے تھے اور فرسودہ بھی اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی نزاعات بھی پیدا کرتے رہتے تھے ..... گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب موجود الوقت انتظام کی خرابی یہ تھی کہ معاہدات کے ماتحت صوبہ کا فوجی و دیوانی نظم و نسق ناقص اور مسرفانہ تھا اور ہز ہائینس کی جانب تیز کی خواہش فاضل بانیات کی اس غیر معین اور ناپائیدار حالت سے پیدا ہوئی تھی۔ جس کی بے ضابطگی و پراگندگی ریاست کے مالیات میں بے ثباتی کا افسوسناک عنصر پیدا کر رہی تھی۔"

آگے چل کر لارڈ کرزن کہتا ہے کہ اس عقدہ کا حل اس نے یہ سوچا تھا کہ ان انتظامی دشواریوں کو ایسے طریقہ سے دور کیا جائے جس سے ہز ہائینس نظام کو ان کی مملکت کے اس خطہ سے ایک معین آمدنی حاصل ہو سکے اور برار کی ۲۸ لاکھ آبادی کے لیے ان حالات اور مراتب کے استمرار کا اطمینان کر لیا جائے جن سے وہ خوش حالی کے بلند درجہ پر پہنچ گئے ہیں"۔ "ان حالات اور مراتب کا استمرار" دوسرے الفاظ میں برٹش گورنمنٹ کے قبضہ و تصرف کا استمرار تھا۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لارڈ کرزن نے گفت و شنید کا آغاز کیا اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ برٹش گورنمنٹ کو برار کا دوامی پٹہ اس شرط پر دیدیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے اس کا انتظام کرے اور اس کے عوض ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کا مستقل خراج سرکار نظام کو دے۔ اول اول اعلیٰ حضرت مرحوم نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا اور برار کی واپسی پر زور دیا، مگر جب لارڈ کرزن نے انہیں یقین دلا دیا کہ برار ہرگز واپس نہ کیا جائے گا اور ۱۸۶۰ء کی شرائط پر قائم رہنے سے وہ برار کی آمدنی کا بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے تو مجبوراً انھوں نے لارڈ کرزن کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور ۵ نومبر ۱۹۰۲ء کو فریقین کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا جس کی دفعات حسب ذیل ہیں :-

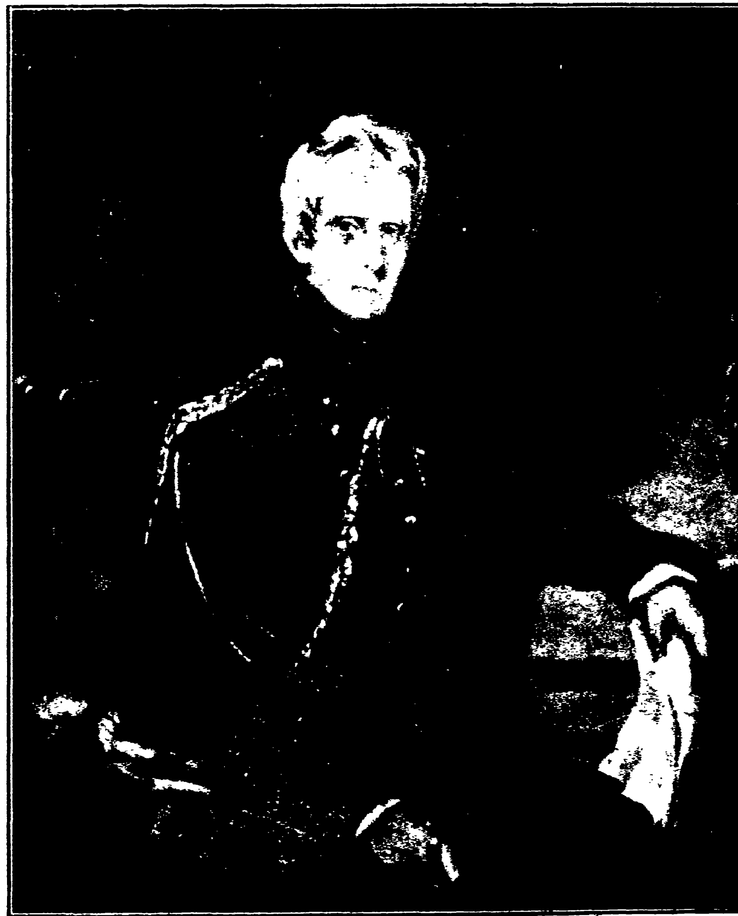
دفعہ اول - ہز ہائینس نظام جن کے شاہی حقوق اضلاع مفوضہ پر از سر نو تسلیم کئے جاتے ہیں ان اضلاع کو دوامی پٹہ پر برٹش گورنمنٹ کے حوالہ کرتے ہیں جس کے عوض برٹش گورنمنٹ ان کو ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کا معین اور مستقل اخراج ادا کرے گی۔

دفعہ دوم حکومت برطانیہ اضلاع مفوضہ میں اس مکمل اور غیر مشترک فیہ اختیار

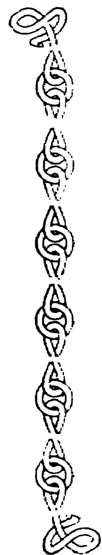
نواب میر تراب علی خان سرسالار جنگ اعظم (از سنہ ۱۸۵۳ع تا سنہ ۱۸۸۳ع)



جنہون نے مدت العمر استرداد برار کیلئے انگریزون کے مقابلہ مین آئینی جدو جہد کی



جنرل فریزر سابق رزیڈنٹ حیدرآباد
(از سنہ ۱۸۳۹ء تا سنہ ۱۸۵۲ء)





کرنل ڈیوڈسن سابق رزیڈنٹ حیدرآباد
(از سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۸۶۲ء)

قبضہ برار کی ابتدا کے سلسلہ میں یہ دونوں رزیڈنٹ اپنے زمانہ میں بڑے سرگرم رہے اور حیدرآباد کی ڈپلومیسی کی آخری وکالت کی

واقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے جو اسے سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے معاہدات کی رو سے حاصل ہیں اس امر میں آزاد ہوگی کہ بلا لحاظ ان معاہدوں کی علاوت وزری کے اضلاع مفوضہ کا ایسے طریقہ سے انتظام کرے جسے وہ پسند کرتی ہو نیز یہ کہ ان افواج کو جو حیدرآباد کنٹیجنٹ کے نام سے قایم ہیں جس طرح مناسب سمجھے ازسرنو تقسیم کرے تخفیف کرے تنظیم کرے اور نگرانی کرے البتہ سنہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ۳ میں ہز ہائینس کے مقبوضات کی حفاظت کا جو اقرار اس نے کیا ہے اسے جیسا کہ واجب ہے پورا کرنے کا بندوبست کر دے"۔[1]

اس مختصر سے معاہدہ کے ذریعہ لارڈ کرزن نے صرف یہی فایدہ نہیں اٹھایا کہ برار کا دوامی پٹہ حاصل کر لیا جو پچاس سال پہلے باوجود "دھمکیوں اور بھبکیوں" objurgation and threats کے حاصل نہ ہوسکا تھا بلکہ برار کو ناگپور کی کمشنری سے ملحق کر کے ایک صوبہ متوسط بنانے کی تمنا بھی پوری کر لی جسے سنہ ۱۸۶۰ء میں نواب افضل الدولہ نے رد کر دیا تھا اور حیدرآباد کنٹیجنٹ کو توڑ دینے کا بھی اختیار حاصل کر لیا۔ حالانکہ اسی فوج کی خاطر صوبہ برار سرکار نظام سے حاصل کیا گیا تھا اور اس فوج کو توڑ دینے کے بعد اس صوبہ پر انگریزی قبضہ رہنے کی کوئی معقول کیا معنی نامعقول وجہ بھی نہ تھی ایسے عظیم فوائد کے مقابلہ میں انگریزی حکومت نے صرف ۲۵ لاکھ سالانہ کی رقم پیش کی اور بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس میں سے بیس سال تک ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ برار کے قرضوں (Berar loans) میں اور ایک غیر متعین مدت تک ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ حیدرآباد کے قرضہ (Hyderabad loan) میں وضع کیا جاتا رہے گا۔ اور سرکار نظام کو ان کے سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے صرف ساڑھے چھ لاکھ روپیہ سالانہ ملے گا بعد میں سرکار نظام کی درخواست پر اس شرط

---

[1] Aitch irans. Vol IX. P 175

میں تھوڑی سی ترمیم ہو گئی۔ جس کے مطابق ایسا انتظام ہو گیا کہ ۲۵ لاکھ کی پوری رقم بتیس سال بعد سرکار نظام کو ملنی شروع ہو جائے گی۔

سنہ ۱۹۰۲ء کے معاہدہ پر تبصرہ

یہ معاہدہ تو بیشک ہوا اور سرکار نظام نے اس کی تصدیق بھی کی لیکن سوال یہ ہے کہ قانونی حیثیت سے یہ کہاں تک ایک جائز معاہدہ تھا؟ اس کے لیے حسب ذیل امور قابل غور ہیں:۔

(۱) اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم برار کا دوامی پٹہ لکھنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے جس وقت یہ تجویز ان کے سامنے پیش کی گئی تو انھوں نے اور امرار اور اعیان سلطنت کی کونسل نے بالاتفاق اس کی مخالفت کی اور ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کو سب کے مشورہ سے اعلیٰ حضرت مرحوم کی جانب سے ایک خط لارڈ کرزن کے نام لکھا گیا۔ جسے خود مرحوم اپنے ہاتھ سے پیش کرنے والے تھے اس خط میں لکھا تھا کہ۔

"میں اس پرانے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اسٹر داد برار کے لیے میرے حقوق کیا ہیں اس کے متعلق معاہدات اور دوسرے سرکاری عہود و مواثیق کے معنی کیا ہیں میں پورے بھروسہ کے ساتھ ان معاملات کو یور ایکسلنسی کی توجہات کریمانہ و مشفقانہ چھوڑتا ہوں۔ میں آپ کے توسط سے ہز مجسٹی شہنشاہ معظم کی خدمت میں صرف یہ گزارش کرونگا کہ وہ لطف و کرم کی ایک خاص علامت کے طور پر برار واپس کر دیں اور میں یہ اجازت چاہوں گا کہ یور ارڈشپ کو اس معاملہ میں اپنا وکیل بناؤں میں پورا یقین رکھتا ہوں اور مجھے کامل بھروسہ ہے کہ میری یہ گزارش ہز مجسٹی کی تاج پوشی کے مبارک موقع پر رائیگاں نہ جائیگی"

(۲) اعلیٰ حضرت مرحوم اپنے اس مطالبہ سے ہٹکر دوامی پٹہ کی تجویز کو قبول کرنے پر صرف اس وقت راضی ہوئے جب لارڈ کرزن نے ان کو پورے زور کے ساتھ یہ یقین دلا دیا کہ پچھلے معاہدات کی رو سے ان کو برار کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسا کریں گے بھی تو اسے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا معاہدہ کی گفت و شنید کے متعلق لارڈ کرزن نے جو نوٹ لکھا تھا اس میں وہ خود کہتا ہے:۔

"میں نے جب سنا کہ ایسی صریح فایدہ مند شرائط ہز ہائی نس کو پسند نہیں آئیں تو مجھے سخت مایوسی ہوئی اگر ان شرائط کو رد کر دیا گیا تو حکومت ہند موجودہ پوزیشن کی طرف رجوع کرے گی جس کے لیے کوئی مدت متعین نہیں ہے اور جس پر ہم پچاس سال سے نسبتاً بہت کم مالی معاوضہ دے کر اس خطے سے استفادہ کر رہے ہیں جو در اصل مقصود بالذات ہے اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے جسکی بنا پر مجھے موجودہ تجاویز کے ناکام ہونے پر افسوس کرنا چاہیئے اگر ان کو رد کر دیا گیا تو یہ حد درجہ غیر متوقع ہے کہ میرے بعد آنے والا کوئی وایسرائے اس سوال کو دوبارہ اچھیڑے گا یا برطانیہ کی کوئی حکومت اپنی بات کو دوبارہ رد کرانا پسند کرے گی اس لیے ہز ہائی نس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ تصفیہ کا جو موقع اب ان کو دیا جا رہا ہے اس کے دوبارہ پیش کئے جانے کی توقع نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ایسی صورت میں معاملات کی موجودہ ترتیب ہی ایک دائمی صورت اختیار کر لے گی۔

مگر انھوں نے (یعنے نظام نے) یہ معلوم کرنے کی خواہش کی کہ آیا جدید تصفیہ میں انہیں یہ آزادی باقی رہے گی کہ آئندہ کسی وقت وہ برار کی واپسی کا مطالبہ کریں؟ اسکا جواب میں نے یہ دیا کہ اگر برار دوامی پٹہ پر برٹش گورنمنٹ کو دیدیا گیا تو ہز ہائینس کے لیے ایسی کوئی درخواست کرنے کا موقع نہ رہے گا کیونکہ اس وقت صوبہ کی قسمت کا فیصلہ پہلے ہی پٹہ کے ذریعہ ہو چکا ہوگا۔ پھر ہز ہائی نس نے پوچھا کہ آیا موجودہ حالات میں اس کا کوئی امکان ہے کہ برار ان کو دیدیا جائے؟

میں نے جواب دیا کہ معاہدات میں ایسی کوئی

چیز ایسی ہے جس سے برار کی واپسی کا تصور کیا جا سکے یا جس سے حیدرآباد کو استرداد کا کوئی حق پہونچتا ہو ...... برٹش گورنمنٹ کے لیے مجوزہ شرائط کا بدل اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس دوامی تفویض پر قایم رہے جو پہلے ہی از روئے معاہدات اس کو حاصل ہے

تب ہز ہائنس نے کہا کہ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے برار واپس ملنے کا اب کوئی امکان نہیں ہے لہذا مجھے مجوزہ دوامی پٹہ لکھ دینے میں کوئی تامل نہیں ہے کیونکہ وہ ریاست کے مفاد کے لیے زیادہ اچھا ہے اب تک میں اس کو صرف اس لیے نامنظور کر رہا تھا کہ میں یہ سمجھتا نہیں تھا کہ آیندہ مجھے برار واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

خود اعلیٰ حضرت مرحوم نے بھی اس ملاقات کی کیفیت لکھتے ہوئے اپنے نوٹ میں صاف لکھا ہے کہ۔

وائسرائے نے مجھ سے دوبارہ سہ بارہ کہا کہ برار کبھی واپس نہیں دیا جا سکتا۔ ہز اکسلنسی نے کہا کہ "میں یور ہائی نس کو کسی غلط امیدیں نہیں رکھنا چاہتا میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ محض میری ہی نہیں بلکہ تمام وائسرائیوں کی جو میرے بعد آئیں گے یہی پالیسی ہوگی اور انگلستان میں بھی حکومت کی یہی پالیسی ہوگی کہ برار کبھی کسی زمانہ میں واپس نہ کیا جائے"۔ وائسرائے کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ گزشتہ ۴۰ سال کے درمیان برار کی واپسی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی اس لیے اب یہ ہمارے لیے ناممکن ہے کہ اسے واپس حاصل کر سکیں اور اب ہمیں اس کی واپسی کی کوئی امید نہ کرنی چاہیے ہز اکسلنسی نے بیان کیا کہ اگر موجودہ صورت حال برقرار رکھی گئی تو اس سے آپ کو کوئی فایدہ حاصل نہ ہوگا۔ جب برار کو واپس کرنا ناممکن ہے تو موجودہ حالت کو برقرار رکھنا خلاف عقل ہے اس سے بہتر ہے کہ اس کو پٹہ پر دے دیا جائے اور اس کے عوض سال بہ سال روپیہ لے لیا جائے تاہم میں نے کوشش کی جہاں تک میں کر سکتا تھا کہ واپسی پر مصر ہوں مگر وائسرائے کے جوابوں کا اندازہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمکو برار واپس نہ دیں گے۔ یہ پچھلی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم کو اس صوبہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس وقت میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر یہ صورت ہے تو اسے پٹہ پر لے لیجئے۔

فریقین کے ان بیانات کو پڑھ لینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے نے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان سے برٹش گورنمنٹ کو برار کی "دوامی تفویض" (Perpetual assignment) پہلے سے حاصل ہے اور نظام کا حق استرداد ان معاہدات کی رو سے کلیتہً زائل ہو چکا ہے اگر وائسرائے سابقہ معاہدات کی یہ تعبیر کر کے اعلیٰ حضرت مرحوم کو یہ قطعی یقین نہ دلا دیتا کہ برار کے واپس دئے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے تو وائسرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق اعلیٰ حضرت مرحوم دوامی پٹہ کو ہرگز قبول نہ کرتے۔

(۳) سابقہ معاہدات اور حکومت برطانیہ کی سرکاری تصریحات کو دیکھتے ہوئے یہ امر بالکل یقینی ہے کہ وائسرائے کی یہ تعبیر بالکل غلط اور سراسر خلاف واقعہ تھی۔ تفویض برار کے پہلے معاہدہ کے وقت حکومت ہند کے وکیل مختار کرنل لو نے نواب ناصر الدولہ مرحوم کو یہ یقین دلایا تھا کہ۔

اگر ہز ہائنس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع کینٹجنٹ کی پرورش کی غرض سے محض اس وقت تک کے لیے تفویض کئے جا سکتے ہیں جب تک انھیں اس کی ضرورت ہے ...... (جب ہز ہائنس کے خواہش کرنے پر) یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام ان اضلاع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں[1]

اس کے بعد ۵ دسمبر ۱۸۶۰ء کو حکومت ہند کی جانب سے یہ یقین دلایا گیا کہ:-

مفوضہ اضلاع کے ایک حصہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے سے حکومت ہند کا مقصد صرف یہ ہے کہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ششم کی شرائط کو پورا کرنے کے لیے وہ ایک آدمی ضمانت اپنے پاس رکھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے جس طرح اب تک تمام اضلاع مفوضہ کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی طرح اب بھی وہ اس علاقہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ ہز ہائی نس کی طرف سے اپنی "امانت" میں (in trust) صرف اس وقت کے لیے رکھنا چاہتی ہے جب تک کنٹنجنٹ رکھی جائے۔ اس سے زیادہ عرصہ کے لیے وہ نہیں رکھنا چاہتی۔ ...... اور یہ واقعہ ہے کہ ہز ہائی نس کے مقبوضات کے اس حصہ کا انتقال محض عارضی (temporay only) ہے ...... جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس کئے جائیں گے تو ہز ہائی نس ان تمام فوائد سے متمتع ہو سکیں گے جو برطانی افسروں کے زیر انتظام رہنے کے زمانہ کی ترقیات سے ممکن ہے کہ آیندہ پیدا ہوں"[1]

اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۸۶۰ء کو دونوں سلطنتوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کی دفعہ ۶ میں بہ صراحت یہ لکھا گیا تھا کہ:-

اضلاع واقع برار جو پہلے ہی معاہدہ ۱۸۵۳ء کے ماتحت برٹش گورنمنٹ کو تفویض کئے جا چکے ہیں مع ان تعلقہ جات صرف خاص کے جو ان میں واقع ہیں اور مع ان مزید اضلاع متصلہ کے جو بہ حالت موجودہ ۳۲ لاکھ روپیہ سکہ حکومت برطانیہ کی سالانہ آمدنی دینے کے لیے کافی ہوں۔ برٹش گورنمنٹ کے پاس امانت میں (in trust) رہیں گے تاکہ اس سے حیدرآباد کنٹنجنٹ کی تنخواہیں اور اپا دلیپائی کی چوتھ مہیپت رام کے خاندان کا سالیانہ اور چند دوسرے پنشنیں جن کا ذکر عہدنامہ مذکور کی دفعہ ششم میں کیا گیا ہے ادا کی جائیں"[2]

اس کے بعد ۵ جنوری ۱۸۶۱ء کو لارڈ کیننگ (وائسرائے) نے سر چارلس ووڈ (وزیر ہند) کو جو

---

[1] دیکھو کرنل لو کا مراسلہ مورخہ ۴ مئی ۱۸۵۳ء نمبر ۱ صیغہ خارجہ

[1] دیکھو مسٹر بنگ ڈپٹی سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ نمبر ۸۸۹ ۲ صیغہ خارجیہ۔

[2] Aitahison vol IX. p. 106

مراسلہ بھیجا تھا اس میں ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے۔

نظام کو بتایا گیا کہ حکومت ہند اضلاع مفوضہ کو اپنی ملکیت میں نہیں اپنی امانت میں رکھنا چاہتی ہے جب تک کہ کنٹنجنٹ رکھی جائے نہ کہ اس سے زیادہ . . . .

ان سے کہا گیا کہ اضلاع برار اب بھی ہز ہائی نس کے مقبوضات کا ایک غیر منفک جز ہے اور وہ ان کو اس وقت تمام تما واپس کردئے جائیں گے جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ ان قراردادوں کو بدل دیں جن کے ماتحت کنٹنجنٹ رکھی گئی ہے[1]

اس کے بعد سر سالار جنگ کے پیہم مطالبات کے جواب میں ۲۸ مارچ ۱۸۶۷ء کو جو آخری اور قطعی فیصلہ لارڈ سالسبری نے وزیر ہند ہونے کی حیثیت سے صادر کیا تھا اس میں بھی یہ تصریح موجود تھی کہ۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ معاہدہ میں برار کو قطعی طور پر حوالے نہیں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی ایسا ہی انتظام چاہتے تھے مگر اس پر نظام کو ایسے اعتراضات تھے جن کو ان کے ذہن سے دور نہیں کیا جا سکتا تھا اور ماننے قبول کرنے پر انہیں مجبور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اگر تفویض قطعی ہوتی تو ملکیت تمام تا تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہو جاتی۔ مگر کوئی انتقال ملکیت وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ علاقہ نظام کے مقبوضات میں اسی طرح شامل رہا جس طرح معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے تھا . . . . . اگر ہز ہائی نس (جو اس وقت تک سن بلوغ کو نہ پہونچے تھے) امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ خواہش کریں گے کہ ان تمام معاملات پر جو دولتین کے درمیان از روئے معاہدہ طے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ ہز ہائی نس کی اس درخواست پر غور کرے گی۔"

یہ تمام سرکاری تحریرات اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ برار کی تفویض دوامی (perpetual) نہیں تھی جیسا کہ لارڈ کرزن نے اس کو ۱۹۰۲ء میں ظاہر کیا بلکہ "عارضی" (temporary) تھی جیسا کہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۷ء تک رزیڈنٹ سے لیکر وزیر ہند تک تمام ذمہ دار افسران متعلق اظہار و اعلان کرتے رہے تھے یہ دستاویزات لارڈ کرزن کی اس تعبیر کو بھی بالکل غلط ثابت کرتی ہیں کہ معاہدات میں حضور نظام کے لیے استرداد برار کا کوئی حق محفوظ نہیں رکھا گیا ہے برعکس اس کے خود وہ والیسرائے جس نے ۱۸۶۰ء کا معاہدہ طے کیا تھا۔ اپنے معاہدہ کی یہ تعبیر کرتا ہے کہ برار کی تفویض ایک "امانت" (trust) کے طور پر تھی اور کنٹنجنٹ کی برطرفی کے بعد اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہیں رہنا تھا لارڈ کرزن نے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان کے ماتحت صرف دو ہی صورتوں میں عمل کیا جا سکتا تھا۔ ایک یہ کہ برار کا دوامی پٹہ لکھدیا جاتا دوسرے یہ کہ تفویض کی موجودالوقت صورت کو دوامًا جاری رکھا جاتا۔ اس کے سوا تیسری صورت اس نے ناممکن قرار دیا حالانکہ کرنل لو اور لارڈ کیننگ جو ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدوں کے اصلی بانی تھے انھوں نے صراحت کے ساتھ تیسری صورت یعنے برار کی واپسی کا نہ صرف امکان ظاہر کیا تھا بلکہ ان کے نزدیک عارضی تفویض کو برار کی واپسی ہی پر ختم ہونا چاہیے تھا۔ اس معاملہ میں لارڈ کرزن نے ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی بھی کھلی ہوئی معنوی تحریف کی جس کے اندر بالفاظ صریح یہ لکھا تھا کہ برار کی تفویض "امانت" (trust) کے طور پر ہے اور لارڈ سالسبری کے صریح وعدہ کو بھی پس پشت ڈال دیا جس میں سرکار نظام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں جب سن بلوغ کو پہونچ کر بذات خود عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ تو انہیں برار کی واپسی کے مسئلہ کو از سر نو چھیڑنے کا حق ہوگا ان تمام سرکاری شہادتوں کے خلاف لارڈ کرزن نے معاہدات کی غلط تعبیر کرکے اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو صریح دھوکا دیا۔ اور ایک غلط اور ناجائز اثر ڈال کر انہیں دوامی پٹہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔

(۲) تفویض برار کی اصلی علت یہ تھی کہ کنٹنجنٹ کی پرورش کے لیے برٹش گورنمنٹ کو بقول لارڈ کیننگ کے ایک مادی ضمانت (material guarantee) اور بقول سالسبری کے ایک ارضی ضمانت (territorial guarantee) کی ضرورت تھی اول اول جب اس کا مطالبہ کیا گیا تو یہی کہا گیا تھا کہ چونکہ کنٹنجنٹ کی تنخواہیں ٹھیک وقت پر باقاعدگی کے ساتھ نہیں ملتیں اس لیے ہمارے ہاتھ میں ایک مستقل ذریعہ آمدنی (permanent source of income) ایسا رہنا چاہیے جس سے ہم اس ذمہ داری کو ادا کرسکیں چنانچہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کی دفعات نمبر ۶ میں اس تفویض کی اصلی غرض اسی کو بیان کیا گیا تھا۔ اور دونوں معاہدات کی ترتیب کے وقت یہ یقین دلایا گیا تھا کہ جب کنٹنجنٹ کی ضرورت باقی نہ رہے گی تو تفویض منسوخ ہو کر ملک اس کے اصلی مالک کو واپس کردیا جائیگا کرنل لو نے ۱۸۵۳ء میں کہا تھا کہ:۔

جب یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام ان اضلاع کو واپس لے سکتے ہیں

۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے کہا تھا کہ:۔

"وہ (یعنے اضلاع برار) نظام کو اس وقت تما تما واپس کردئے جائیں گے جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ ان قراردادوں کو بدل دیں جن کے ماتحت کنٹنجنٹ رکھی گئی ہے"

ان سرکاری تصریحات کے مطابق یہ ضروری تھا کہ جب کنٹنجنٹ کے برطرف کردینے پر دونوں حکومتوں کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ ملک جو کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کے لیے لیا گیا تھا واپس کردیا جاتا لیکن لارڈ کرزن نے معاہدات کی اسپرٹ اور الفاظ دونوں کے خلاف یہ کیا کہ جب دونوں سلطنتوں کے درمیان کنٹنجنٹ کے برطرف کرنے پر اتفاق ہو گیا تو کنٹنجنٹ کو تو توڑ دیا مگر ملک کو جو کنٹنجنٹ کی خاطر "ضمانت" میں لیا گیا تھا۔ واپس کرنے سے صاف انکار کردیا گیا۔ لارڈ کرزن خود اپنے نوٹ میں لکھتا ہے کہ:۔

حیدرآباد کنٹنجنٹ جیسی کہ وہ اس وقت معاہدات کے ماتحت قایم ہے ایک فضول خرچ اور ناقابل اطمینان شے ہے حیدرآباد کے علاقہ میں جو فوجیں مقیم ہیں وہ جدید ضروریات سے

---

[1] دیکھو لارڈ کیننگ کا مراسلہ نمبر ۴ صیغہ خارجیہ۔

بالکل زاید ہیں اور ان کا اس نام سے باقی رہنا ہز ہائینس کے لیے نفرت انگیز بھی ہے اور بے موقع بھی"۔

۱۹ برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ کنٹنجنٹ کو "فضول خرچ" "ناقابل اطمینان" "زاید از ضرورت" "نفرت انگیز" اور بے موقع تسلیم کیا گیا اور اس کے توڑ دینے پر سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان اتفاق رائے ہوگیا۔ اس اتفاق رائے سے اضلاع برار کو بتا چاہا واپس کر دینے کے لیے وہ شرط پوری ہو چکی تھی جو ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے مقرر کی تھی مگر لارڈ کرزن نے عقل، منطق معاہدات اور مواعید سب کے خلاف ملت کو منفسخ کرنے کے بعد بھی معلول کو برقرار رکھا اور کنٹنجنٹ کو توڑ دینے کے باوجود ملک کو اپنے قبضہ میں رکھنے پر اصرار کیا حالانکہ اب سرکار نظام کی طرف سے انگریزی حکومت پر کوئی ایسی ذمہ داری باقی نہ تھی جس کو ادا کرنے کے لیے کل ممالک محروسہ کا تیسرا حصہ اس کو دیئے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

یہ امور ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر ۱۹۰۲ء کا یہ معاہدہ قطعاً ناجائز قرار پاتا ہے اور اس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں رہتی کہ سلطنت برطانیہ کے وائسرائے نے اپنے وفادار دوست کو دھوکہ دے کر اور غلط باتیں باور کرا کے لاعلمی کی حالت میں ایسی دستاویز پر دستخط حاصل کر لیے جس پر خود وائسرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ ہرگز دستخط نہ کرتا اگر اس کو معاہدات کے اصلی معانی سے باخبر ہونے دیا جاتا لارڈ کرزن نے قصداً اعلیٰ حضرت مرحوم سے تنہائی میں یہ معاملہ طے کیا مدارالمہام یا کسی اور واقف کار و معاملہ فہم مشیر تک کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہ دی اور ان کو نا واقفیت میں بہ زور و بہ اصرار غلط باتوں کا یقین دلا کر ان کے آبائی ملک کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ ہمیشہ کے لیے ان سے حاصل کر لیا۔ (ماخوذ از "دولت آصفیہ و حکومت آصفیہ کے سیاسی معاملات")

نویدِ مسرت

از کپتان محمد اعجاز علی شہرت

کیا نوید جانفزا آئی ہے بعد از انتظار ہو مبارک ظلِ عثمانی تمہیں اہلِ برار

آصفی پرچم سروں پر ہوگا پھر سایہ فگن از سرِ نو ہوں گے آئینِ سیاست استوار

آبیاری ہوگی جب ابرِ عطائے شاہ کی جنتِ فردوس سے بڑھ جائیگی شانِ بہار

بالیقیں سرحیدری نے کارِ مردانہ کیا لافتیٰ الاّ علی لاسیف الاّ ذوالفقار

جزوِ لاینفک کبھی کل سے جدا ہوتا نہیں کہہ گئے ہیں صاحبانِ اعتبار و پختہ کار

کیا سعادت خیز ہے وقت آ رعایائے دکن شکر کی جا ہے کہ اب ٹوٹا تعاقب کا حصار

پھر وہی ہم ہیں وہی تم ہو وہی پھر رسم و راہ پھر وہی باہم محبت اور وہی لیل و نہار

دو برادر بعدِ مدت کے گلے ملتے ہیں پھر اب تو لازم ہے کہ آئے قلبِ مضطر کو قرار

پھر وہی سلطاں وہی آقا وہی عہدِ قدیم پھر وہی اپنی وفاداری وہ لطفِ شہریار

اب ہمارے درمیاں سے دور ہو جائے نفاق ہم نہ کھوئیں گے تری شامت سے اب اپنا وقار

اہلِ دل صاحب خرد و بالغ نظر و ذی تجربہ کہتے رہیں اپنا زیاں لازم نہیں ہے ہوشیار

اختلافِ باہمی ہے ابتری ہے ملک و مال اتحادِ باہمی ہے امن کا دار و مدار

کون ہے ایسا جہاں میں دشمنِ عقل و خرد دربدر روتا پھرے خود کھو کے اپنا اختیار

حق پسندی حق پرستی ہے طریق اہلِ دل راست گوئی دور اندیشی ہو انساں کا شعار

واقفانِ راز رکھتے ہیں نظر انجام پر بے محل لاتے نہیں لب پر سخن دانائے کار

آئیے سب یک زباں ہو کر حضورِ شاہ میں عرض پیرا ہوں کہ اے آصف سلیماں اقتدار

سایۂ دامانِ دولت لطفِ شاہانہ رہے ایک مدت سے تھے ارباب وفا امیدوار

شہرۂ اکنافِ عالم ہے رواداری تری حیدرآباد دکن ہے فخرِ امصار و دیار

یہ رواداری رعیت پروری حق گستری ہم کو بھی حاصل رہے اے خسروِ عالی تبار

ہو بہارِ امن و آسائش سے آباد دکن اور تیرا عہد ہو آئینۂ حسنِ بہار

حمد میں مشغول ہے شہرت زبانِ نکتہ سنج سجدۂ شکرانہ میں ہے خامۂ قدرت نگار

اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر کا مطالبہ استرداد برار

لارڈ ریڈنگ سے مراسلت اور اس پر تبصرہ

جنگ عظیم کے کامیاب اختتام کے بعد ہی ہندوستان میں ستیاگرہ، خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہوگئیں جنہوں نے کچھ عرصے کے لئے عظیم الشان برٹش انڈین، ایمپائر کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ان نازک اور پیچیدہ سیاسی حالات میں اعلیٰحضرت نے اپنے حقوق طلب کر کے سلطنت برطانیہ کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرنا اپنی خاندانی شرافت کے خلاف سمجھا۔ اور صرف یہی نہیں کہ حق تلفی سے متحرز رہے بلکہ ان وطنی و اسلامی تحریکات میں بھی سلطنت برطانیہ کو اخلاقی امداد دیتے رہے اور اپنی ریاست میں تحریک خلافت تک کو بند کرا دیا جسکی بدولت اعلیٰحضرت کے متعلق ان کی ملت میں شدید بدگمانیاں پھیل گئیں

آخر جب یہ ہنگامہ و اضطراب کا دور بھی ختم ہوا اور برٹش گورنمنٹ تمام اندرونی و بیرونی مشکلات سے نجات پاکر نسبتاً پرسکون حالت میں ہوگئی۔ تو اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے کھوئے ہوئے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کریں۔

اعلیحضرت کا پہلا خط

اس غرض کے لئے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو حضور ممدوح نے لارڈ ریڈنگ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے برار کے متعلق اپنے دعاوی بوضاحت کے ساتھ پیش فرمائے اور اس کے ساتھ ایک میمورنڈم بھی منسلک کیا جو اعلیحضرت کے دعاوی کے متعلق تمام دستاویزی شہادتوں پر مشتمل تھا۔ یہ خط جنوری ۱۹۲۴ء کے اواخر میں عام طور پر شائع ہو چکا ہے اس لئے اس کو نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے البتہ اختصار کے ساتھ اس کے اصولی نکات ذیل میں درج کر دیئے جاتے ہیں:-

۔ ۱۷۶۶ء میں پہلی مرتبہ برٹش گورنمنٹ نے دولت آصفیہ سے یہ عہد کیا تھا۔ کہ وہ بوقت ضرورت اس کی فوجی امداد کرے گی۔ اور دولت آصفیہ نے اس امداد کے معاوضہ میں شمالی سرکاروں کا علاقہ برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا تھا۔

۲۔ ۱۷۹۸ء میں دوبارہ اسی فوجی امداد کے لئے ایک مستقل فوج حیدرآباد میں رکھی گئی اور اس کے لئے پھر ۴۱,۱۷,۰۰ کا خرچ دولت آصفیہ کے ذمہ عاید کیا گیا۔

۳۔ ۱۸۰۰ء میں اس امدادی فوج کے مصارف کیلئے دولت آصفیہ سے ایک دوسرا علاقہ لیا گیا جس کی آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ تھی، اس وقت یہ عہد کیا گیا تھا کہ یہ امدادی فوج ان تمام قوتوں کے خلاف ہر وقت استعمال کیجا سکے گی جو دولت آصفیہ کے امن وسکون میں اندر سے یا باہر سے خلل انداز ہونگی نیز اس کو ایسی حالت میں بھی استعمال کیا جا سکے گا جبکہ سرکار نظام کی رعایا میں سے کوئی اس کی اطاعت سے انحراف کریگا۔ یا خراج ادا کرنے میں پہلو تہی کرے گا۔

۴۔ اس معاہدہ کے بعد جب سرکار نظام کو اپنی باغی رعایا کی سرکوبی کیلئے فوجی امداد کی ضرورت ہوئی تو اس فوج کی خدمات دینے سے انکار کیا گیا جو ۶۳ لاکھ کا ملک لیکر اسی غرض کے لئے قائم کی گئی تھی، اور ایک دوسری فوج انہی خدمات کو انجام دینے کیلئے قائم کی گئی۔ جس کے لئے مزید ۴ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ سرکار نظام کے ذمہ عاید کیا گیا۔

۵۔ اس جدید فوج کا قیام نہ کسی معاہدہ پر مبنی تھا۔ نہ اس کے لئے سرکار نظام سے اجازت لی گئی، اور نہ برٹش گورنمنٹ کیلئے یہ جائز تھا کہ ان خدمات کا معاوضہ دوبارہ وصول کرتی، جن کا معاوضہ وہ پہلے وصول کر چکی تھی۔ مگر صرف یہی نہیں کہ یہ معاوضہ وصول کیا گیا بلکہ سرکار نظام سے فوج کا خرچ وصول کرنے کے باوجود اس کے تمام انتظامات کلیتہ" انگریزی ریزیڈنٹ کے ہاتھ میں رکھے گئے۔

۶۔ ۱۸۵۳ء میں اس فوج کے بقایا ۴۳ لاکھ روپیہ (کلدار) سرکار نظام کے ذمہ قرض کے طور پر نکالا گیا، حالانکہ ۴۱ سال تک برٹش گورنمنٹ سکندرآباد اور جالنہ کی آبکاری کا محصول کسی حق کے وصول کرتی رہی تھی۔ اور ۳۰ سال تک اس نے امدادی فوج کو جسکا خرچ وہ پہلے وصول کر چکی تھی مقررہ تعداد کی نسبت زاید از ۲۵ فیصدی کم تعداد میں رکھا تھا۔ اگر دونوں سلطنتوں کے مطالبات کا باضابطہ محاسبہ کیا جاتا تو برٹش گورنمنٹ کے ذمہ خود سرکار نظام . . . . کا الٹا قرض نکل آتا لیکن برٹش گورنمنٹ نے باوجود پیہم مطالبہ کے حساب فہمی کرنے سے اعراض کیا اور اپنے ۴۳ لاکھ روپیہ کی کفالت اور آئندہ کے لئے اس ناجائز فوج کے مصارف کی ضمانت میں سرکار نظام سے اس کے ملک کا ایک اور حصہ طلب کیا۔

۷۔ نظام اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے لئے راضی نہ تھے، مگر کمپنی نے فوجی عمل کی دھمکی دے کر، اور یہ خوف دلاکر کے ان کی جان اور سلطنت کی بھی خیر نہیں ہے، انہیں اس پر راضی کیا، اور اس طرح اضلاع برار، دوآبہ رائچور، اور دھاراسیو کی تفویض عمل میں آئی۔

۸۔ ۱۸۵۳ء کا معاہدہ اس صریح مفاہمت کے ساتھ ہوا تھا کہ اضلاع مفوضہ صرف اس وقت تک برٹش گورنمنٹ کے تصرف میں رہیں گے، جب تک سرکار نظام کو کنٹنجنٹ کی ضرورت رہے گی۔ اور یہ کہ جب سرکار نظام اس فوج کو توڑنے کی خواہش کرے گی تو اسے توڑ دیا جائے گا۔ اور ملک اس کے اصلی مالک کو

واپس دیدیا جائیگا ۱۸۶۰ء کے معاہدہ میں اس میں دوبارہ توثیق کی گئی۔

۹۔ ۱۸۷۲ء میں جب سرکار نظام کی جانب سے کنٹنجنٹ کو توڑنے کی خواہش ظاہر کی گئی اور اضلاع مفوضہ واپس مانگے گئے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ فرمانروائے وقت کی نابالغی کے زمانہ میں ایسے مسائل پر بحث کرنا خالی از وقت نہیں ہے۔

۱۰۔ جب فرمانروائے وقت نے خود عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو وائسرائے کی زبانی ان کو پورے زور کے ساتھ یہ یقین دلایا گیا کہ برار کی تفویض عارضی نہیں ہے بلکہ دائمی ہے، اس کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا اب سرکار نظام کو کوئی حق باقی نہیں رہا۔ اور اس امر کا قطعی فیصلہ ہوچکا ہے کہ برار کبھی واپس نہ دیا جائیگا۔ یہ غلط امور، تمام پہلے عہود و مواثیق کے بالکل خلاف باور کرا کے ۱۹۰۲ء میں فرمانروائے وقت سے دوامی پٹہ حاصل کیا گیا، اگر ان کو یہ غلط باور نہ کرایا جاتا تو خود وائسرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ کبھی اس پٹہ کو منظور نہ کرتے۔

۱۱۔ اگر بالفرض فرمانروائے وقت نے ۱۹۰۲ء کے تصفیہ کو برضا و رغبت قبول کیا تھا۔ تب بھی اسکا جواز مشتبہ ہے کیونکہ ایسا تصفیہ کرنا ان کے آئینی اختیارات سے باہر تھا۔ اور ان حالات میں وہ اپنے ممالک کے کسی حصہ کو جو ان کے پاس ان کی رعیت اور ان کے جانشینوں کے لئے امانت کے طور پر تھا منتقل کر دینے کا کوئی حق نہ رکھتے تھے۔

۱۲۔ جبکہ برٹش گورنمنٹ نے معاہدات طے کرتے وقت سرکار نظام کیلئے برار کے استرداد کا حق صاف طور پر تسلیم کرلیا تھا۔ اور برار کی تفویض کنٹنجنٹ کے بقا پر موقوف رکھی گئی تھی تو استحقاق بر بنائے تصرف قدیم (   ) کا قانوناً کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں جس معاملہ میں برطانیہ کی نیک نیتی کا سوال درپیش ہو اس میں تصرف قدیم کے استحقاق کو پیش کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہے جب ۱۸۸۱ء میں میسور کی ریاست بحال کی گئی تھی اتب بھی دیانت و انصاف کے مقابلہ میں تصرف قدیم کے استحقاق کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

۱۳۔ پٹہ پر کسی ملک کے دیئے جانے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ پٹہ دار کے املاک میں جزو ہو گیا علیٰ ہذا القیاس ملک برار کے پٹہ پر دیئے جانے سے یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ ہندوستان کے سیاسی و دیوانی نظام میں جذب ہو جائے، اب بھی وہ ریاست حیدرآباد کا غیر منفک جزو ہے، مگر ۱۹۰۲ء سے اب تک جو سیاسی تغیرات ہوئے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف مالی حیثیت سے اہل برار کی دولت غیر براریوں کے تصرف میں آرہی ہے، بلکہ جدید اصلاحات نے سیاسی حیثیت سے بھی ان کو باہر والوں کے تابع کر دیا ہے مثال کے طور پر صوبہ متوسط کی قانون ساز کونسل میں وہ اپنی کمی تعداد کی بنا پر ماتحت پوزیشن میں ہے ان وجوہ و دلائل کو پیش کر کے اعلیٰ حضرت نے اپنے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کیا، اور اس خیال سے کہ کہیں برطانی راج کی برکات سے اہل برار کے محروم ہو جانے کا پرانا عذر پھر نہ پیش کیا جائے، حضور ممدوح نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہ اہل برار کو حکومت میں اس سے زیادہ اشتراک عمل کا موقع دیں گے جو اب تک برطانی راج میں ان کو حاصل رہا ہے۔ اور ایک گورنر کے ماتحت ان کو ذمہ دار حکومت خود اختیاری دیکر داخلی نظم و نسق کے اعتبار سے بالکل آزاد کر دیں گے۔

لارڈ ریڈنگ کا جواب

اعلیٰحضرت کے اس مدلل اور مدبرانہ خطاب پر دہلی اور لندن میں ڈیڑھ سال تک غور و خوض ہوتا رہا اور ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ریڈنگ کی طرف سے اس کا جواب ایک طویل خط میں دیا گیا۔ اس خط کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اسمیں بنیادی مسائل سے اعراض کرنے کی وہی پرانی پالیسی اختیار کی گئی تھی جسے لارڈ سالسبری نے سر سالار جنگ کے جواب میں اختیار کیا تھا مسئلہ برار میں سب سے پہلا اور اصولی سوال یہ ہے کہ آیا کنٹنجنٹ قایم کرنا اور اس کے مصارف کا بار سرکار نظام پر ڈالنا جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہ تھا تو وہ قرض جس کی بنا پر برار کی تفویض عمل میں لائی گئی، ... سرے سے بے بنیاد ہی ٹھہرتا ہے اور ساری عمارت پیوند خاک ہو جاتی ہے جسپر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ برار قائم ہے اس اہم ترین بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ۱۸۰۰ء، ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کے معنی اور حدود پر بحث کرنا ناگزیر ہے، لیکن لارڈ سالسبری کی طرح لارڈ ریڈنگ نے بھی اس نکتہ کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اور اسے چھوڑ کر اس طرح گذر گئے کہ گویا یہ کوئی قابل اعتنا شئے ہی نہیں ہے، اسی طرح دوسرا اہم بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کی رو سے برار کی تفویض قطعی تھی یا عارضی؟ مطلق تھی یا مقید اگر عارضی اور مقید تھی تو یقیناً لارڈ کرزن نے اس کو قطعی او مطلق قرار دیکر ان معاہدات کی غلط تعبیر کی اور اعلیحضرت میر محبوب علیخان مرحوم کو دہوکہ دیا، لارڈ ریڈنگ کے جواب میں پہلے نکتہ کی طرح یہ نکتہ بھی اچھوتا رہا۔ اور اب ان دونوں ابتدائی مراحل کو چھوڑ کر انہوں نے دفعتاً تیسرے اور آخری مرحلہ پر اپنا سارا وزن رکھدیا، کیونکہ وہاں ان کو ذرا سی پاؤں رکھنے کی جگہ ملتی تھی، ان کے سارے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ لارڈ کرزن اور فرمانروائے حیدرآباد کے درمیان ۱۹۰۲ء میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ برار کی قسمت کا آخری فیصلہ تھا، اس کے بعد اب اس صوبہ کی قسمت کا سوال دوبارہ نہیں چھیڑا جا سکتا، اس کو جائز ثابت کرنے کیلئے وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"نظام اچھی طرح اس مباحثہ کیلئے طیار تھے جو ان کے اور لارڈ کرزن کے درمیان ہوا تھا، وہ خود اپنی مرضی سے تنہا ملاقات کیلئے آئے تھے ان پر اُس وقت جواب دینے کیلئے کوئی زور نہیں ڈالا گیا تھا۔ ....

....

.... بلکہ انہوں نے خود ایسا کرنا پسند کیا حالانکہ لارڈ کرزن برابر یہ مشورہ دیتے رہے کہ وہ پورے غور و غوص کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں اس ملاقات کے بعد بھی ان کو ساڑھے تین مہینہ کا وقفہ مل گیا، جو ان کی بے ضابطہ منظوری کی باضابطہ تصدیق سے پہلے گذرا تھا۔ انہوں نے یہ باضابطہ تصدیق ایسے الفاظ میں کی جو مجبوری کے خیال کو تقویت دینے کے بجائے اعلیٰ درجہ کی طمانیت کو ظاہر کرتے ہیں ان کے بعد انکو بھی تین مہینہ سے زیادہ کی مہلت عہدنامہ پر دستخط ہونے سے پہلے مزید غور کیلئے مل گئی اور آخر میں وائسرائے کی اپنی یادداشت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کی اصلی صورت کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ تھے"۔

"اس سے لارڈ ریڈنگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ۱۹۰۲ء کا عہدنامہ کسی دہوکہ اور فریب کے اثر سے نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر فرمانروائے وقت نے اپنی مرضی سے کیا تھا لیکن اگر اسے ان بھی لیا جائے کہ اعلیحضرت میر محبوب علیخان جنت

کو سوچنے اور سمجھنے کا خوب موقع دیا گیا تھا اور وہ بحث کیلئے خوب طیار بھی تھے، اور انہوں نے آخری جواب دینے میں خود ہی جلدی بھی کی تھی، اب بھی نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اصلی سوال یہ ہے کہ جب وائسرائے نے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ رابق معاہدات کی رو سے استرداد برار کا کوئی حق نہیں ہے۔ برار کی تفویض عارضی نہیں، بلکہ دوامی ہے، اور برٹش گورنمنٹ یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ برار کو اسوقت اور نہ آیندہ کبھی واپس دے گی تو ایسی حالت میں اعلیحضرت کیلئے سوچنے اور سمجھنے کی گنجایش ہی کونسی باقی رہگئی تھی، لارڈ کرزن نے تو وائسرایانہ تحکم کے ساتھ استرداد کا دروازہ بند کرنے کے بعد ان کے لئے صرف دو راستے باقی چھوڑے تھے، ایک یہ کہ ۲۵ لاکھ سالانہ کے عوض دوامی پٹہ لکھدیں، دوسرے یہ کہ موجودالوقت صورت کو برقرار رکھیں جس میں ان کو برار کی آمدنی میں سے ایک پیسہ بھی ملنے کی توقع نہ تھی وائسرائے نے کہا تھا کہ وہ انہی دونوں صورتوں میں سے ایک کو اختیار کر سکتے ہیں اور تیسری صورت یعنی استرداد کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ایسی حالت میں اگر ان کو سوچنے اور سمجھنے کی مہلت بھی گئی۔ تو وہ بے معنی تھی۔ لارڈ کرزن پر ہمارا اعتراض یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اعلیحضرت کو سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں دی، بلکہ اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے عارضی اور مقید تفویض کو دوامی اور مطلق قرار دیا۔ مگر ہمارا یہ اعتراض صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ سنہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ غلط اثر کے ماتحت ہوا۔ اور اگر یہ اعتراض مسلم نہیں ہے تو بتایا جائے کہ سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے عہد ناموں اور ان کے متعلق سرکاری اعلانات کی صحیح تعبیر کیا ہے، اس معاملہ میں یہی ایک بنیادی سوال ہے اور اسی سے لارڈ ریڈنگ نے گریز کیا ہے۔

اس طرح لارڈ ریڈنگ نے اصول کو چھوڑ کر تمام تر غیر متعلق اور فروعی باتوں تک اپنے جواب کو محدود رکھا اور آخر میں کہا کہ

"یور اکزالٹڈ ہائی نس کا خط اس کے لواحق سمیت میں نے یہ سمجھکر کہ یہی آپ کی خواہش تھی ہز مجسٹی کے سکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیجدیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی ان تمام نتائج سے متفق ہیں جن تک حکومت ہند پہنچی ہے، لہذا یہ فیصلہ جسے میں آپ تک پہنچانے کی عزت حاصل کر رہا ہوں ہز مجسٹی کی حکومت کا فیصلہ ہے۔"

اعلیحضرت کا دوسرا خط

اگر لارڈ ریڈنگ کا جواب صرف بحث کی حیثیت رکھتا تو چنداں قباحت نہ تھی، مگر بدقسمتی سے انہوں نے ایک طرف دعاوی کی تردید میں ناکافی اور بودے دلائل پیش کئے اور بنیادی مسائل پر بحث کرنے سے اعراض کیا اور دوسری طرف اپنے اس جواب کو "فیصلہ" کے رنگ میں لکھا اور نہ صرف اسپرٹ سے بلکہ الفاظ سے بھی یہ ظاہر کیا کہ "یہ فیصلہ" قطعی ہے یہ غیر معقول پوزیشن کسی طرح قابل اطمینان نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اعلیحضرت میر عثمان علی خان بہادر نے ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء کو ایک اور خط لکھا جس میں ان کے تمام دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ بحث کی کہ ایسے مسائل میں جو دو حلیف طاقتوں کے درمیان متنازع فیہ ہوں، کسی ایک فریق کو آخری فیصلہ کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے؟ اس کے متعلق حضور ممدوح نے لکھا۔

"حکومت برطانیہ کے ساتھ میرے تعلقات، نظام اور اپنی مملکت کا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اس مجموعی و دائمی اتحاد کے تابع ہیں جو میرے اسلاف اور اسٹیٹ انڈیا کمپنی کے درمیان باہمی احترام، دوستی اور اشتراک مصالح کی بنیاد پر ہوا تھا۔۔۔ باستثنار ان مسائل کے جو خارجی طاقتوں اور خارجی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں حیدرآباد کے نظام اپنی ریاست کے داخلی امور میں ویسے ہی خود مختار رہے ہیں جیسے برٹش گورنمنٹ انڈیا میں ہے اس استثنار کے ساتھ جسکا ذکر میں نے کیا ہے فریقین نے ہمیشہ ان بین الحکومتی مسائل میں جو قدرتی طور پر وقتاً فوقتاً ہمسایوں کے درمیان اٹھ کھڑے ہوا کرتے ہیں، کامل آزادی اور خود مختاری کے ساتھ عمل کیا ہے، اب مسئلہ برار اس استثنا میں نہیں آتا اور نہیں آسکتا، کوئی خارجی طاقت یا پالیسی اس تفحص میں متعلق یا مخل یا نہیں ہے۔ پس یہ قضیہ دو ایسی حکومتوں کے درمیان متنازع فیہ رہا ہے، جو ایک ہی درجہ کی ہیں اور جن میں سے کوئی کسی کی تابع نہیں ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس درجہ کے دو فریق ایک دوسرے کے دعاوی اور تجاویز کو رد کر دینے کی آزادی ضرور رکھتے ہیں، مگر برٹش گورنمنٹ کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں یہ پوچھنے سے احتراز نہیں کر سکتا کہ مسئلہ برار میں لفظ "فیصلہ" کا استعمال کہاں تک صحیح ہے، خارجی امور کو الگ کر کے میں برٹش گورنمنٹ کے ایک حلیف کی حیثیت سے اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت کے اس انکار کو محض ایک "انکار" سمجھوں نہ کہ "فیصلہ"

...... میرے مطالبہ استرداد برار کے جواب میں ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کا انکار محض اس کی رائے کا اظہار تو ہو سکتا ہے مگر وہ مجھ پر اور میرے خاندان پر کوئی ایسی پابندی عاید نہیں کر سکتا کہ اب اس قضیہ کو ختم شدہ اور اپنے دعوے کو ہمیشہ کیلئے خارج شدہ سمجھ لیا جائے اس قسم کی پابندیاں اور ایسے حلفا پر کبھی حاوی نہیں ہو سکتیں جو اپنے عہد ناموں کی شرائط کے ماتحت اس کی پوری آزادی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تجاویز سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔"

آگے چل کر اعلیحضرت نے لارڈ ریڈنگ کے ایک اور غلط طرز تعبیر پر اعتراض فرمایا ہے۔ لارڈ ریڈنگ نے قضیہ برار کو ایک ایسا قضیہ قرار دیا تھا جسکا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے، اس کے متعلق اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

"اس لفظ (یعنی فیصلہ) کا استعمال ایک دوسری قانونی اصطلاح "امر فیصل شدہ" ( ) کے ساتھ مجھے پھر مجبور کرتا ہے کہ مسئلہ برار میں فریقین کی اعتباری حیثیت کے متعلق اپنے تصور پر مزید زور دوں......

..... یور اکسلنسی یقیناً جانتے ہوں گے کہ میرے اسلاف یکے بعد دیگرے (برار کی

دوامی تفویض کی تجاویز کو رد کرتے رہے ہیں، اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے بعد ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ "امر فیصل شدہ" کا تصور کئے بغیر اپنی تجاویز کو پیش کرتی، اور ان پر اصرار کرتی رہی ہے۔ جس طرح اسوقت اس اصطلاح کا اطلاق درست نہیں تھا، اسی طرح اب بھی جب کہ میں اس مسئلے کے ازسرنو افتتاح اور اس کے واجبی اور مناسب تحفص کی درخواست کررہا ہوں، اس کا اطلاق درست نہیں ہے، حلیفوں اور دوستوں کے درمیان اس قسم کے معاملات میں "امر فیصل شدہ" کا عذر کر کے تفتیش اور تجدید تجاویز کا سد باب نہیں کیا جا سکتا، اور نہیں کیا جانا چاہیے۔ یہ قاعدہ تو مقننوں نے بالکل دوسرے ہی ظروف و احوال کے لئے وضع کیا تھا، جو ایسے فریقین اور ایسے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں جو نہ تو ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ اور نظام سے کوئی مشابہت رکھتے ہیں اور نہ زیر بحث مسئلے سے کوئی مجانست"۔

اس کے بعد اعلیحضرت نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کا جج بنجانا، اور محض انکار کی صورت میں بلا دلیل آخری وقطعی فیصلہ صادر کر دینا کہاں تک جائز ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ :-

"قطع نظر اس کے جو میں اوپر لفظ "فیصلہ" کے استعمال اور قضیہ برار پر قاعدہ "امر فیصل شدہ" کے اطلاق کے متعلق کہہ آیا ہوں، ایک اور بے ضابطگی بھی ہے جسکو نوٹس میں لائے بغیر چھوڑ دینا ناممکن ہے، سوال یہ ہے کہ جب کوئی نزاع دو ایسے حلیفوں کے درمیان پیدا ہو، جو ایک خاص امر تصفیہ طلب میں ایک دوسرے کی بہ نسبت تابعیت کی پوزیشن نہ رکھتے ہوں، تو کیا آخری فیصلہ محض رد و انکار کی صورت میں صادر کرنے کا حق کسی ایک کیلئے محفوظ رہنا چاہیئے؟ اس قسم کا ضابطہ عمل تو یہ معنی رکھتا ہے کہ فریقین میں سے ایک جج بھی بنجائے، کسی امر متنازعہ فیہ میں اس طریقے سے اطمینان بخش تصفیہ نہیں ہوسکتا، جج اور فریق مقدمہ کا ذات واحد میں اجتماع، ایک ایسا انتظام ہے جو بہت کچھ قابل طلب چھوڑ دیتا ہے۔ ایک نامور قانون داں اور انگلستان کے سابق چیف جسٹس ہونے کی حیثیت سے یور اکسلنسی مجھ سے زیادہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں کہ ایسے اجتماع سے تبری کریں"۔

اس کے بعد اعلیحضرت نے لارڈ ریڈنگ کے تمام دلائل کا لفظ بلفظ جواب دیا تھا، اور آخر میں اپنی طرف سے تصفیہ کی یہ صورت پیش کی تھی کہ :-

"قضیہ برار کے متعلق امور متنازع فیہ کو ایک کمیشن کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے۔ اسکا صدر ایک بلند پایہ اور اعلیٰ قانونی تجربہ رکھنے والا برطانی جنٹلمین ہو جسے وزیر ہند نامزد کریں، اور صدر کے علاوہ اس کے چھ ارکان ہوں اور ان چھ میں دو حکومت ہند کے نامزد کئے ہوئے ہوں اور دو میرے منتخب کئے ہوئے ہوں اور دو خود اہل برار کے [illegible] ہوں جنھیں صوبہ متوسط کونسل لجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے غیر سرکاری براری ارکان منتخب کریں۔ اس طرح مرتب کیے ہوئے کمیشن کے لئے متعین کر وسیع حدود بحث و تفتیش مقرر کئے جائیں تاکہ وہ ان تمام مسائل کی مکمل تحقیقات کرے جن میں بدقسمتی سے ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ اور میرے درمیان اختلاف رائے ہے ان حدود کی تعین اس طرح ہوسکتی ہے کہ حکومت ہند کے شعبہ سیاسیات کا ایک افسر اور میرا ایک آدمی یہ دونوں ملکر بحث کرلیں اور اس کے بعد میں اور یور اکسلنسی امور تنقیح طلب نا یا تعاق رائے طے کرلیں اس کمیشن کا پورا خرچ میری حکومت برداشت کرے گی۔

لارڈ ریڈنگ کا آخری جواب

میں نے اس خط کے خاص خاص حصوں کو خود اعلیحضرت کے الفاظ میں نقل کیا ہے تاکہ ہر شخص اس کو پڑھ کر اس کی معقولیت کا خود اندازہ کرلے اعلیٰ حضرت نے حکومت ہند کی اختیار کی ہوئی غلط پوزیشن پر جو اعتراضات کئے تھے۔ انہیں کوئی منصف مزاج اور معقول آدمی نا روا اور بیجا نہیں کہہ سکتا، اور امور متنازعہ فیہ کے تصفیہ کی جو صورت حضور ممدوح نے پیش کی تھی وہ نہ صرف معقول و مناسب بلکہ اعلیحضرت کی بہ نسبت خود حکومت ہند کے حق میں زیادہ مفید تھی،

لیکن اس کا جو جواب حکومت ہند کے رئیس اعلیٰ نے دیا، اس کے متعلق اس سے بہتر کوئی اظہار رائے نہیں ہوسکتا کہ اسکو خود اس کے الفاظ میں نقل کردیا جائے۔ لارڈ ریڈنگ اپنے ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء کے خط میں لکھتے ہیں :-

"میں یور اکزالٹیڈ ہائی نس کی پیروی میں اس قضیہ کی تاریخی تفصیلات پر بحث نہیں کرنا چاہتا جیسا کہ میں آپ کو اپنے پہلے خط میں اطلاع دے چکا ہوں، آپ کے پیش کردہ امور کی پوری توجہ کے ساتھ تحقیق و تفتیش کیگئی ہے، اور اب جو کچھ آپ فرماتے ہیں ان میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جو میری گورنمنٹ اور وزیر ہند کے اخذ کردہ نتایج پر اثر انداز ہوئی ہو....

"آپ نے بیان کیا ہے کہ حیدرآباد کے داخلی امور میں آپ فرمانروائے ریاست حیدرآباد ہونے کی حیثیت سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو برٹش گورنمنٹ کو جہاں تک برطانی ہند کے داخلی امور کا تعلق ہے، ہندوستان میں حاصل ہے"۔

.... یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یور اکزالٹیڈ ہائی نس اپنے اور دولت عالیہ (   ) کے تعلقات کے متعلق ایک غلط تصور رکھتے ہیں جسے دور کرنا ہزامپیریل میجسٹی کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے مجھ پر لازم ہے، کیونکہ اسوقت ایک ایسے مسئلہ میں میری خاموشی کو ممکن ہے کہ بعد میں اس دعوے کے تسلیم کر لینے کا ہم معنی قرار دیا جائے، جسے آپ نے پیش کیا ہے، تاج برطانیہ کی سیادت ہندوستان میں سب سے برتر ہے اور اس بنا پر کوئی والی ریاست برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مساویانہ طریق پر گفت و شنید کرنے کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب نہیں ہوسکتا۔ تاج کی برتری صرف معاہدات اور تمسکات ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ ان سے بے نیاز ہو کر بھی قائم ہے۔ خارجی دول اور سیاست سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اس کے خصوصی اختیارات سے قطع نظر برٹش گورنمنٹ کا حق اور فرض ہے کہ بجزم و احتیاط ان تمام عہود و مواثیق کا احترام کرتے ہوئے جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کئے گئے ہیں ہندوستان کے طول و عرض میں امن اور حسن انتظام کو برقرار رکھے، اس سے جو نتایج نکلتے ہیں وہ اتنے معروف ہیں، اور دوسرے

والیان ریاست کی طرح یور اکزالٹیڈ ہائینس پر بھی ان کا اطلاق اتنا روشن ہے کہ ان کو بیان کرنا مشکل ہی سے ضروری معلوم ہوتا ہے، تاہم اگر توضیح کی ضرورت ہو تو میں یور اکزالٹیڈ ہائی نس کو یاد دلا دُوں گا کہ ۱۸۶۲ء میں دوسرے والیان ریاست کی طرح فرمانروائے حیدرآباد کو بھی ایک سند دی گئی تھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور ان کی حکومت کے بقا کی خواہش مند ہے، بشرطیکہ وہ تاج کے وفادار رہیں۔ اور یہ کہ مسند حیدرآباد پر کسی کی جانشینی اس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک ہزمیجسٹی شہنشاہ معظم اسکو منظور نہ کریں، نیز جانشینی کے مسئلہ میں اگر کوئی نزاع برپا ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کا فیصلہ کرے گی۔"

"دیسی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں برٹش گورنمنٹ کا حق مداخلت ان نتائج کی ایک دوسری مثال ہے جو برطانی تاج کی برتری کو لازمی طور پر متضمن ہیں۔ فی الواقع برٹش گورنمنٹ نے بارہا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ شدید وجوہ کے بغیر اس حق کو استعمال کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی، مگر وہ داخلی اور خارجی تحفظ جس سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں، انجام کار برٹش گورنمنٹ ہی کی محافظ قوت کے باعث انہیں حاصل ہے اور جہاں کہیں شاہی مفاد کا تعلق ہو یا کسی ریاست کے طرز عمل سے اس کے باشندوں کی عام فلاح و بہبود پر واقعی شدید اور مضرت رساں اثر پڑ رہا ہو، تو حسب ضرورت اس کا تدارک کرنے کی ذمہ داری آخر میں بالاتر ہی پر عائد ہونی چاہیئے۔ اندرونی حاکمیت کے تمام مدارج جس سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں۔ سب کے سب بالاتر قوت ہی کی جانب سے اس ذمہ داری کی مناسب انجام دہی کے ساتھ مقید ہیں، اس پر ایسی ہی دوسری بھی مثالوں کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے، جو مذکورہ بالا مثالوں سے کچھ کم آپ کی اس رائے کی تغلیط نہیں کرتیں کہ باستثنائے امور متعلق بہ دول سیاسیات خارجہ، یور اکزالٹیڈ ہائی نس کی حکومت اور برٹش گورنمنٹ ایک ہی درجہ مساوات پر قائم ہیں، مگر میں اس موضوع پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں صرف یہ اضافہ کروں گا کہ یور اکزالٹیڈ ہائی نس کو جو "یار وفادار" کا خطاب حاصل ہے اس کا یہ اثر نہیں ہے کہ تاج برطانیہ کی سیادت میں آپ کی گورنمنٹ کو دوسری ریاستوں سے کوئی جداگانہ حیثیت حاصل ہو۔"

"آپ نے حیدرآباد اور دولت عالیہ کے تعلقات کے متعلق اپنے موجودہ تصور کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ جن نتائج پر پہنچی ہے ان کو لفظ "فیصلہ" سے تعبیر کرنے میں میں نے غلطی کی ہے نیز یہ کہ قاعدۂ "امر فیصل شدہ" کا اطلاق حیدرآباد اور حکومت ہند کے مابین نزاعی امور میں درست نہیں ہے مجھے افسوس ہے کہ میں یور اکزالٹیڈ ہائی نس کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ آپ کے پیش کردہ امور کے متعلق وزیر ہند کے احکام ایک "فیصلہ" کی حد تک نہیں پہنچتے یہ دولت عالیہ کا حق اور امتیازی حق ہے کہ وہ تمام ان نزاعات کا فیصلہ کرے جو دو ریاستوں کے درمیان یا خود اس کے اور کسی ریاست کے درمیان پیدا ہوں۔ اگرچہ خاص خاص حالات میں ایک عدالت ثالثی بھی مقرر کیجا سکتی ہے مگر اس عدالت کا کام بھی صرف اتنا ہی ہے کہ حکومت ہند کو آزادانہ مشورہ دے، باقی رہا فیصلہ تو اس کا حق حکومت ہند ہی کو حاصل رہے گا۔"

"رہا اصطلاح "امر فیصل شدہ" کا استعمال تو یہ میں بھی جانتا ہوں کہ حکومت ہند کے لئے کسی عدالت دیوانی کی طرح اس کی ممانعت نہیں ہے کہ کسی ایسے مسئلہ کی سماعت کرے جو پہلے کسی فیصلہ کا موضوع بن چکا ہو، مگر "امر فیصل شدہ" کا قانونی اصول ٹھوس عملی ملحوظات کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک ایسے مسئلہ کو جسکا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو بار بار انہیں فریقین کے درمیان زیر بحث لانا کسی طرح مرغوب نہیں ہے۔"

"اب میں آپ کی اس درخواست کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ قضیۂ برار کی تحقیقات اور اس پر رپورٹ کرنے کیلئے کمیشن مقرر کیا جائے، یور اکزالٹیڈ ہائی نس خود بھی جانتے ہیں کہ اب سے تھوڑے عرصہ پہلے حکومت ہند نے ایسے مسائل میں عدالت ثالثی مقرر کرنے کے لئے ایک خاص قاعدہ مقرر کیا ہے جن میں کوئی ریاست حکومت ہند کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو۔ لیکن اگر آپ اس تحریر کو ملاحظ کریں گے جو اس جدید انتظام پر مشتمل ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں کوئی ایسی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے جس کی رو سے ایسے مقدمات میں بھی عدالت ثالثی مقرر کیجا سکتی ہو، جن میں خود ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ نے فیصلہ صادر کیا ہو، امیں یہ نہیں سمجھتا کہ ایک ایسا مقدمہ جیسا کہ یہ ہے جس میں ایک پرانی نزاع کا خاتمہ ایک سمجھوتہ کے ذریعہ کیا جا چکا ہے اور وہ سمجھوتہ بھی پورے غور و خوض کے بعد ایسی شرائط پر ہوا ہے جو ابہام سے پاک ہیں ثالثی کی غرض سے پیش کرنے کے لئے موزوں ہو سکتا ہے۔"

میں نے چند غیر ضروری فقروں کو حذف کر کے یہ پورا خط لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے تاکہ ہر شخص خود اس کو پڑھکر رائے قائم کر سکے، اس میں لارڈ ریڈنگ نے برار کے اصلی مقدمہ کو اس کے تمام قانونی اور واقعاتی نکات سمیت نظر انداز کر کے صرف اس امر پر زور دیا ہے کہ برٹش گورنمنٹ بالا دست ہے، اور دولت آصفیہ زیر دست، اس لئے اگر بالا دست نے زیر دست کا ملک جبر سے یا حیلہ سے یا کسی طرح چھین لیا۔ تو اب زیر دست کو یہ حق باقی نہیں رہا۔ کہ اس سے کسی دلیل و حجت کا مطالبہ کرے یا اپنے دعوے استحقاق کو پیش کر کے اس پر بحث کرے، یا کسی عدالت ثالثی کے ذریعہ انصاف کرانے کی کوشش کرے بالا دست کو حق ہے کہ بلا دلیل اپنی تائید میں خود فیصلہ صادر کر دے اور زیر دست کا فرض ہے کہ خواہ وہ مطمئن ہو، یا نہ ہو بہر صورت اس فیصلہ کو سنکر دم بخود رہ جائے، لارڈ ریڈنگ نے دولت آصفیہ کو ایک ماتحت حکومت ثابت کرنے کیلئے جو طریق استدلال اختیار کیا ہے اس پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، اس کی کمزوری تو اسی سے ظاہر ہے کہ تمام معاہدات و تہنامجات میں سے اُن کو صرف ایک ۱۸۶۲ء کی سند مل سکی ہے جس کو کھینچ تان کر بمشکل یہ معنی پہنائے جا سکتے ہیں کہ داخلی امور میں بھی دولت آصفیہ سلطنت

برطانیہ کی تابع ہے، حالانکہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ اور سیر دولتین کے موجودہ تعلقات قائم ہیں اوس کی صاف تردید کررہا ہے۔ تاہم اگر تھوڑی دیر کیلئے یہ مان لیا جائے کہ دولت آصفیہ خارجی امور کیطرح داخلی امور میں بھی سلطنت برطانیہ کی تابع ہے، تب بھی یہ سوال جوں کا توں رہتا ہے کہ حقوق کے متعلق متنازع فیہ امور میں بالا تری و طاقتوری کی بنا پر فیصلہ "صادر کرنا اور فیصلہ بھی اس طرح کہ بحث و استدلال کا دروازہ بند کر کے سادہ اور خالص رد و انکار کی شکل میں جواب دیدیا جائے کہاں تک جائز، معقول اور اطمینان بخش ہو سکتا ہے اس چیز کو خواہ کتنے ہی پیچ در پیچ اور وکیلانہ انداز بیان میں پیش کیا جائے۔ مگر کوئی صاحب عقل آدمی اتنی موٹی سی بات سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا کہ حق اور انصاف کے معاملہ میں نہ بالا دستی استحقاق کی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ زیر دستی عدم استحقاق کی، اور خصوصیت کے ساتھ ایسا مقدمہ جس میں مدعی کی شکایات اتنی قوی اور مدلل اور اتنی معقول ہوں، کبھی اسطرح طے نہیں ہو سکتا کہ بحث تفتیش، تحقیقات کچھ نہ ہو اور مدعی علیہ صرف یہ دو حرفی حکم صادر کر دے کہ مدعی کا دعویٰ خارج، اگر بفرض محال یہ درست ہے کہ دولت آصفیہ حکومت برطانیہ کے مقابلہ میں ایک تابعانہ حیثیت رکھتی ہے تب بھی اس کی تابعت برطانی ہند کے رعایا سے زیادہ ادنی تو نہیں ہے، پھر جب برطانی رعایا کو حکومت کے خلاف عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حق ہے اور انگریزی عدالتوں میں رات دن وزیر ہند کے خلاف دعوے ہوتے رہتے ہیں تو کیا سلطنت آصفیہ کا تاجدار برطانی رعایا کے معمولی افراد سے بھی گیا گذرا ہے کہ اس کو ایک آزاد اور غیر جانبدار کمیشن کے ذریعہ اپنی شکایات کے متعلق تحقیقات کرانے کا حق بھی نہیں مل سکتا، فصل خصومات اور تصفیہ نزاعات کا یہ تو کوئی بھی معقول طریقہ نہیں ہے کہ پہلے ملک پر عارضی قبضہ استعمال کرنا حق و انصاف ہی کا نہیں بلکہ انسانیت و شرافت کا بھی خون کرنا ہے کیا جائے اس دلیل سے کہ اگر نہ دوگے تو پونہ کی دو رجمنٹیں تم پر حملہ کر دیں گی۔ اور پھر اس قبضہ پر دوامی تسلط کا پٹہ حاصل کیا جائے اس تحت سے ملک تو تمہیں بہر صورت واپس نہ ملے گا البتہ اگر تم دوامی پٹہ نہ لکھوگے تو اب تک اس میں سے جو تھوڑا بہت تمہیں مل رہا ہے وہ بھی بند ہو جائیگا، پھر جب اصل حقدار اس ناجائز طریق ملک گیری پر اعتراض کر کے اپنے جائز دعاوی پیش کرے تو اس کو یہ کہکر خاموش کر دیا جائے کہ ہماری قوت تم سے بالا تر ہے، اور ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تمہارے ملک کو واپس نہ کریں گے اس لئے تم کو یہ فیصلہ بے چون وچرا تسلیم کرنا چاہیئے یہ طریقہ برسر جنگ دشمنوں کے ساتھ اختیار کیا جائے تو چنداں قابل تعجب نہیں، مگر دوستوں کے ساتھ اور دوست بھی وہ جو مصیبت کے وقت جان کی جگہ جان اور روپیہ کی جگہ روپیہ قربان کرنے میں دریغ نہ کرتے ہوں اسے

لائی ہے اپنے ساتھ نوید برار عید

از مولوی مرزا امام بیگ صاحب رونق قادری اڈیٹر دکن نیوز و جریدۂ خلیق

آئی ہے بن کے رحمت پروردگار عید
لائی ہے اپنے ساتھ نوید برار عید

سایہ میں شاہ ہندو و مسلم نواز کے
ہر روز اب منائیں گے اہل برار عید

اہل دکن اٹھو کہ زمانہ کے بعد آج
آئے ہیں تم سے ملنے کو اہل برار عید

شہزادۂ برار کے ہمراہ جا کے اب
دیکھیں برار کی بھی در شہوار عید

یارب رہے شگفتہ دکن کا چمن سدا
ہر عید اک کی ہوتی ہو اک یادگار عید

رونق یہ عید دولت عثمان کی عید ہے
ہندو کی عید اور مسلماں کی عید ہے

دنیائے عطریات کے شاہکار

جو

اعلیحضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

کی

فرمایش اور پسندیدہ ترکیب کے موافق چھ ماہ کی محنت شاق سے تیار ہوئے

اور جنکے نام

عطر نظام مدن مست   عطر نظامیہ عود   مرغوب عثمانیہ

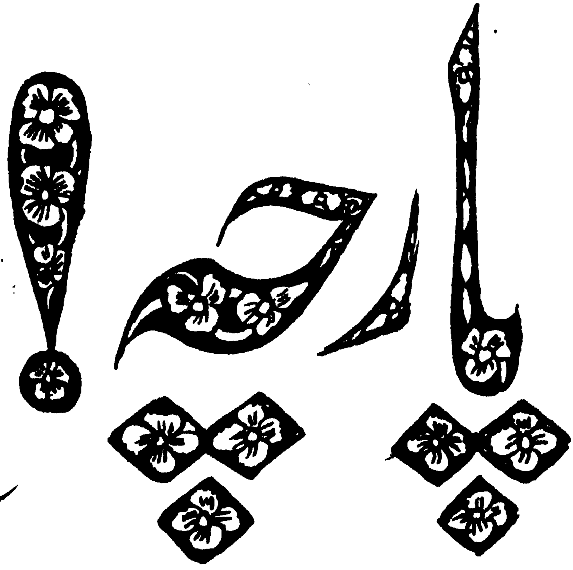
بارگاہ خسروی سے تجویز فرمائے گئے

استعمال کرنے کے بعد اپنی اور اپنے دوستوں کی رائے کا اندازہ کیجئے،

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو

یا

شاخ حیدرآباد دکن گلزار حوض سے طلب کیجئے



ایک نشست میں!
ایک وقت میں!
ایک قیمت میں!

ہر پسند کے موافق ہر ضرورت کے مطابق

شادیوں کا تمام ضروری کپڑا اسکار جوبلی اکامدانی آری بہرت وغیرہ

خریداروں کو تمام ممکنہ سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں

جس قدر مطلوب ہو خرید لیجئے

آر آر گوپال کلاتھ مرچنٹ

علاؤالدین بلڈنگ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر (۱۶۷۲)
ٹیلیگرام کلاتھ

اعلیحضرت حضور نظام برار کے حقیقی مالک ہیں

از مسٹر کرشنا سوامی مدیراج مولف پکٹوریل حیدرآباد

میں تشکر گذار ہوں کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے ایک نفسیاتی موقع پر صحیح طریقہ عمل اختیار کیا۔ اعلیحضرت حضور نظام مطالبہ پر غیر جانبداری اور فیاضانہ اسپرٹ پر غور کیا گیا کہ ریاست کے سکے اہم دستاویزات کی جانچ پرتال کی گئی۔ مگر اس طرح نہیں جیسا کہ مارکوئس آف ریڈنگ سابق وائسرائے اور لارڈ برکن ہیڈ سابق وزیر ہند کے زمانہ میں ہوئی تھی اگر برطانوی حکومت نے اپنے یار وفادار کو برار کا علاقہ واپس کردیا تو اس کی طرف سے نہ صرف انصاف کی پابندی ہوگی بلکہ وہ حیدرآباد کے عوام کی قائم رہنے والی شکرگذاری کو بھی حاصل کرے گی۔ اس کے علاوہ رو سار کے نزدیک حکومت کے اعزاز و وقار میں بہت اضافہ ہوگا۔ اور اس منصفانہ طرز عمل سے وہ قابل عزت قرار پائے گی۔ وقت بدل رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کے سیاسی حالات بھی، کوئی دس بارہ سال کے بعد ہی ملک کی دنیا بدل جائے گی جدید دستور ہوگا اور نئے نئے مقاصد اور نئے نئے خیالات ہوں گے یہ بہت مناسب ہوگا کہ اس موقع پر برطانیہ حیدرآباد سے منصفانہ سلوک کرکے ان تمام غلط فہمیوں کو دور کردے جو اس کے متعلق پیدا ہوگئی ہیں برطانوی حکومت کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خاندان آصفیہ کے تاجدار شروع سے اس کے حامی و مددگار رہے ہیں اور انہوں نے ایسے زمانہ میں امداد کی ہے جبکہ حکومت اپنے استحکام کو متزلزل دیکھ رہی تھی۔ اور اس کی قوت اقتدار اعلیٰ کا درجہ حاصل نہ کرسکی تھی۔ آصفی تاجداروں نے نہ صرف ٹیپو سلطان کے ساتھ برطانیہ کی لڑائیوں میں بلکہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی بہت مدد کی حالانکہ اس وقت یہ نظام کے اقتدار میں تھا کہ انقلاب اور جنگ و جدل کے سیلاب کا رخ انگلستان کی طرف کردیتے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فوجوں کے قیام کے لئے اعلیحضرت نظام نے اپنی مملکت کے بعض علاقہ مثلاً شمالی سرکار، اضلاع ابلاری جڈپہ، رائچور دوھارسیو حوالے کئے آخر میں حیدرآباد کنٹنجنٹ کے اخراجات اور قرض کی ادائی میں برار کا پٹہ لکھدیا۔ …… حیدرآباد کنٹنجنٹ کی تنظیم اعلیحضرت کی مرضی کے بغیر معاہدہ پر مبنی نہیں تھی لیکن اعلیحضرت کو مجبور کیا گیا۔ کہ وہ اسے منظور کرلیں۔ جنگ عظیم کے موقع پر حضور پرنور نے برطانیہ کی جو امداد کی ہے اسے بھلایا نہیں جاسکتا، ہندوستان کے رو سار میں تاجداران دکن برطانیہ کا ساتھ دینے میں سب سے زیادہ ممتاز اور اس کے سچے دوست رہے ہیں۔

ہز اگزالٹیڈ ہائینس حضور نظام نے جب استرداد برار کے مسئلہ کے متعلق مارکوئس آف ریڈنگ کو مخاطب فرمایا تھا تو عام طور پر ہندوستان میں یہ بحث پیش کی گئی کہ اہل برار برطانوی نظم و نسق کے تحت ہیں جبکہ حیدرآبادی نظم و نسق کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور وہ جب امن و امان سے ہیں تو اعلیحضرت اس صوبہ کی واپسی کی کیوں خواہش رکھتے ہیں اس وقت بھی بعض حلقوں میں یہی خیال پھیلا ہوا ہے کہ حیدرآباد کا نظم و نسق آج بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ بیسیوں برس پہلے تھا انہیں یہ معلوم نہیں کہ سر سالار جنگ بہادر نے جو اصلاحات نافذ کئے تھے اس پر اچھی طرح عمل ہوتا رہا ہے اور اعلیحضرت بندگانعالی کی تخت نشینی کے بعد سے تو حیدرآباد میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ حیدرآباد کا موجودہ نظم و نسق اعلیحضرت بندگانعالی کے تدبر و فراست کا رہین منت ہے اور دنیا دیکھ لیگی کہ حضور کی کیمیا اثر سے عوام کی مادی اور اخلاقی ترقی کچھ عرصہ بعد بہت حیرت انگیز ہو جائیگی۔ ابتک رعیت میں جوش عمل پیدا ہوگیا ہے ہمارا نظم و نسق بعض اعتبار سے بڑھا چڑھا نظر آتا ہے۔ مثلاً عاملہ اور عدالیہ کی علحدگی کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ حیدرآباد باوجود زبردست اخراجات کے اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اس کا مالیہ بچت دکھاتا رہتا ہے۔

ہز اگزالٹیڈ ہائی نس کو اکتوبر ۱۹۲۳ء میں برار کی واپسی کے لئے جن وجوہات نے ابھارا وہ حضور ہی کے الفاظ میں یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ بندگانعالی نے لارڈ ریڈنگ کو لکھا تھا۔

"۱۹۰۲ء کے بعد سے برطانوی ہند کے حالیہ سیاسی اور آئینی تغیرات نے صوبہ برار کو مادی طور پر متاثر کیا ہے۔ (برار کے مالی ذرائع غیر براریوں کیلئے صرف کارآمد ہی نہیں بنائے گئے ہیں) بلکہ جدید حالات کی دلیل کے ذریعہ میری رعایا بہت سے معاملات میں بیرونی لوگوں کی حکومت کے تحت رکھی گئی ہے مثال کے طور پر مجلس مقننہ مرکزی صوبہ جات متوسط میں اپنی تعداد میں اختلاف کیوجہ سے جیسا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے وہ بہت زیادہ اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ ۱۹۰۲ء سے صورت حال اس قدر بدل گئی ہے کہ ان کے تصفیہ کی نظرثانی کیلئے حق و انصاف کے مسئلہ میں غور و خوض کا مطالبہ کرنے میں اپنے کو حق بجانب محسوس کرتا ہوں"

حضور کے مطالبہ استرداد کی حقیقت مندرجہ بالا ارشادات سے اچھی طرح ظاہر ہوجاتی ہے کہ اس وقت برار جس صوبجات متوسط کے تحت جس طرح پامال ہو رہے ہیں اس کا سلسلہ ختم ہوجائے اور برار کا علاقہ حیدرآباد کے زیر سایہ اپنے مالی ذرائع سے خود مستفید ہوتا رہے۔

ہز اکزالٹیڈ ہائینس کا بیان بالکل صحیح ہے اور یہ ایک جرأت کی بات ہے کہ جو لوگ اپنے کو برار کا دوست ظاہر کرتے ہیں وہ خود اپنے مالیہ کی ایک بہت بڑی تعداد سے جسکا کچھ حصہ صوبہ جات متوسط کو دیا جاتا ہے مستفید ہونے کے موافق نہیں ہیں اس وقت صوبہ کی مالگذاری ایک کرور سے زیادہ ہے اور یہ سمجھنے کی وجہ موجود ہے کہ حیدرآباد حکومت کے تحت اس مالیہ کا کثیر مقدار حصہ اس صوبہ میں صرف کیا جائیگا اور اس طرح بہت زیادہ مادی فوائد حاصل ہوں گے۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے جس پر براریوں کو خیال کرنا چاہیئے اور اون کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس مسئلہ پر بھی غور کرنا چاہیئے جو نظام نے نہایت فراخدلی کے ساتھ اپنے اُس مکتوب میں کیا ہے جو انہوں نے لارڈ ریڈنگ کو لکھا تھا۔

جب یہ مکتوب شائع ہوا تھا تو چند لوگوں نے اہل برار کو مشورہ دیا تھا کہ وہ منتقلی کے لیے رائے دیں کیونکہ ان ذرائع سے ان کو حکومت خود اختیاری اور بہت بڑی سیاسی آزادیاں حاصل ہوں گی۔ اور حکمران حیدرآباد کی رہنمائی اور خیر اندیشی کے تحت اون کو اپنی تصویر تو بنانیکا موقع حاصل ہوگا لیکن بے دھڑک اور بلا سمجھے اہل برار نے اون کی ہمنوائی نہ کی جس کی وجہ سے لارڈ ریڈنگ کو نظام کے تمام حقوق سے انکار کرنے کی جرأت ہوئی اور اعلان کیا کہ معاملہ ایک مرتبہ اور قطعی طور پر طے ہوگیا ہے اور اب اُس کا آغاز نہیں کیا جاسکتا۔ اب اس بات کا قوی امکان ہے کہ برار کے مسئلہ کا تصفیہ ہماری ریاست کے حسب مرضی ہو جائے اور اس موقع پر توقع کیجاتی ہے کہ براری اپنے آرا کا اظہار کردینگے اور یہ سمجھ لیں گے کہ ان کے مفاد کونسے طریقہ عمل میں مضمر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانوی نظم و نسق بہت عمدہ ہے لیکن ایک ایسا ذمہ دارانہ دستور جس کی رو سے انہیں داخلی امور میں پورا اختیار اور نظم و نسق میں خودمختاری حاصل رہے گی ہر طرح قابل ترجیح ہے۔ براریوں کیلئے یہ موقع ایسا زرین ہے کہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔

یہ بہت افسوسناک بات ہے کہ بعض حضرات نے برار میں استرداد کے خلاف پروپگنڈا شروع کر دیا ہے اور ان گمراہ افراد میں مسٹر جی آر ابھیانکر مصنف "مسائل ریاست ہائے ہند" کا نام پیش کیا جاسکتا ہے برار کی تاریخ سے بحث کرتے ہوئے آپ حضور نظام کی دعاوی کو تسلیم کرتے ہوئے برطانوی حکومت کے غیر منصفانہ سلوک کی مذمت کرتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ استرداد برار کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

آپ اور آپ کے دوسرے پروپگنڈا کرنے والے مشر کار استرداد برار کی مخالفت میں جو استدلال پیش کرتے رہتے ہیں۔ ان پر یہاں مختصر تبصرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ حقائق ناظرین کے پیش نظر ہو جائیں ہندوستان کے بعض حلقوں میں اس کی تائید کی جارہی ہے کہ برار واپس نہ کیا جائے لیکن وہ اعلحضرت کے مطالبہ سے انکار بھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ براری خود استرداد کے بارے میں رائے دیں۔ کیا ان حضرات کو معلوم نہیں کہ جب برار حوالہ کیا گیا تھا تو کیا براریوں سے اعلحضرت نے یا برطانوی حکومت نے مشورہ کیا تھا۔ یہ حق نہ انہیں پہلے سے حاصل تھا اور نہ اب ہو سکتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ براریوں کو خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ وہ ۸۰ سال برطانوی حکومت کے تحت رہے ہیں یہ حق حاصل ہے پھر آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہ ایک عمدہ طرز حکومت کے وعدہ کے بعد بھی اپنی رائے کے اظہار پر پس و پیش کر رہے ہیں

دوسرا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اعلحضرت حضور نظام حیدرآباد اور برار کے مالک نہیں اور اس وجہ سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے، برار میں سوائے مسلمانوں کے اور کوئی بھی حضور نظام کے تحت واپس آنا نہیں چاہتا۔ اسمیں شک نہیں کہ کوئی رئیس یا فرمانروا ایک لحاظ سے اپنی سلطنت یا ریاست کا مالک قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ہم یہاں حکمران خاندان کے ان افراد کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے ہیں اور جن سے اظہار عقیدت و وفاداری ہمارا فرض ہے۔ اگر کوئی یہ دلیل پیش کرے کہ ملک معظم ہندوستان کے نہیں ہیں اس لیے ان سے وفادار رہنے کی ضرورت نہیں تو پھر حکومت کا سارا امن و انتظام برباد ہوکر رہ جائیگا۔ براریوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلحضرت بندگانعالی انہیں اپنی مملکت کے تحت جائداد منقولہ کی طرح منتقل نہیں کرنا چاہتے بلکہ آزاد انسانوں کی طرح جن کے لئے بہت بڑا وعدہ کیا گیا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ تاجدار دکن نے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے پورا کیا جائیگا۔ یہ ایک صاف بات ہے اعلحضرت بندگانعالی براریوں کو کوئی شکایت کا موقع نہیں دیں گے اور اس کے سوا ایک تاجدار کبھی اپنے وعدہ سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ بعض جرائد یوں اظہار خیال کرتے ہیں کہ براریوں کو ذمہ دارانہ حکومت عطا کرنے کا وعدہ اس وجہ سے موثر نہیں ہے کہ اعلحضرت حضور نظام خود اپنی مملکت کی رعایا کو ایسا دستور عطا کرنے کیلئے کبھی تیار نہیں ہوسکتے یہ استدلال بھی واقعات کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ زیادہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا حیدرآباد میں ابھی پبلک اسپرٹ پیدا نہیں ہوئی ہے جب عوام میں نہیں پوری طرح پھیل جائے گی تو اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حیدرآباد دستوری ترقی کے طرف قدم اٹھائیگا یہ خیال کرنا بڑی غلطی ہے کہ یہاں جبر استبداد کی حکومت ہے ہم امن و اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں رعایا پر ایسے ٹیکس عاید نہیں ہیں جو برطانوی ہند میں دیکھے جاتے ہیں اگر اعلحضرت حضور نظام، جابر اور خود سر فرمانروا ہوتے تو پھر یہ خوشحالی اور امن و چین نظر نہیں آتا جو دور عثمانی کی خصوصیت ہے۔

بہر حال حیدرآباد کا سوال برار کے مستقبل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا حیدرآباد اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ اپنے تاجدار کے زیر سایہ کس طرح ترقی کرسکتا ہے ہمارے یہاں پبلک اسپرٹ آہستہ آہستہ پیدا ہو رہی ہے تعلیم کی نشر و اشاعت سے ملک بیدار ہو رہا ہے اور وہ دن قریب ہیں جبکہ حیدرآبادی اپنے ملک کے دستور کی ترقی میں حکومت کا ہاتھ بٹانے کیلئے تیار نظر آئیں گے کہا جاتا ہے کہ ایک ایسا علاقہ جو برطانوی ہند کے تحت رہا ہو۔ ایک دیسی ریاست کے سایہ میں آکر مطمئن نہیں رہ سکتا کیونکہ فرمانروائے ریاست کبھی خود اختیاری حکومت کے ادارہ کو پسند نہیں کرسکتا اس طرح کے قیاسات کی کوئی اصلیت نہیں ! حیدرآباد اپنے ایک علاقہ میں ذمہ دارانہ دستور کے تجربہ کو بڑی فراخدلی سے دیکھیگا۔ برار اگر ہمیں واپس مل جائے تو خود اس علاقہ کا اسمیں بہت کچھ فائدہ ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ برار کا جو روپیہ صوبہ جات متوسط پہ صرف ہوتا رہا ہے اگر حیدرآباد اور برار میں چند مالی شرائط کے بعد اسی کی فلاح و بہبود کیلئے خرچ کیا جائے تو اس سے اس کی مادی حالت ترقی کرجائیگی آئین جدید کے تحت لسانی اور جغرافی حیثیت سے

مسئلۂ برار

از

(مولوی سید بدر الحسن صاحب بی۔ اے، ایل، ایل بی (علیگ))

مسئلہ برار اب محض سیاست حاضرہ نہیں اس کے عقب میں ایک پوری تاریخ ہے جس روز سے اعلحضرت نظام دکن نے سریر آرائے حکومت ہوئے ہیں ان کے دل میں برار کی تڑپ ہے یہ تڑپ یقیناً ہوس ملک کی بنا پر نہیں اس دور میں مالک اور ملک کا تخیل ہی بدل گیا ہے جس قدر رقبہ حکومت وسیع ہے اتنی ہی ذمہ داریاں بھاری ہیں اور اتنی ہی وہ سیاسی پیچیدگیاں قریب ہو جاتی ہیں جو اکثر سیاسی تہلکہ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اعلحضرت کی یہ تمنا کہ برار ممالک محروسہ حیدرآباد دکن میں شامل ہو جائے، ایک طرف محض حق کی بنا پر ہے اور دوسری طرف حب الوطنی کی بنیاد پر۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ دکن کا علاقہ جو لسانی اور نسلی حیثیت سے ہندوستان کے دوسرے حصص سے بالکل مختلف ہے اسطرح ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہو جائے اور اس کے باشندے جو باہم یگانہ ہیں ہمیشہ کیلئے بیگانہ ہو جائیں۔ دکن کا وہ تمام علاقہ جو اب اس سے ۵، برس قبل نظام کے تحت میں ہمیشہ سے ایک سیاسی یونٹ ہے اس کے درمیان وابستگی قایم رہنی چاہیئے۔ پھر یہ کہ اس معاہدہ کی رو سے بھی جو برطانیہ اور نظام گورنمنٹ کے درمیان ہوا۔ برار نظام گورنمنٹ کو واپس ملنا چاہیئے اعلحضرت نے اپنے، گورنمنٹ حیدرآباد کے، اور باشندگان حیدرآباد کے اس حق کو حاصل کرنے کیلئے جد و جہد کی ہے وہ صرف انہی سے ممکن تھی اور اعلحضرت کی اس جد و جہد کو ہم محض ان کی محبت وطن پر مبنی سمجھتے ہیں۔ برار کے متعلق حکومت ہند اور حکومت نظام کے درمیان ایک عرصہ سے کامل خاموشی کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی، پبلک کے سامنے سب سے پہلے نمایاں ہوکر یہ معاملہ اس وقت آیا جب حضور نظام نے سر علی امام مرحوم کو وزیر ہند۔ اور نیز دیگر سربرآوردہ ممبران کابینہ سے گفتگو کرنے کیلئے ولایت بھیجا اور اسی زمانہ میں حضور نظام کا وہ تاریخی خط بھی شائع ہوا جو موصوف نے لارڈ ریڈنگ کے نام لکھا تھا اس وقت چونکہ فضا بہت ناموافق تھی، اس لئے سر علی امام اپنے مشن میں بڑی طرح ناکام رہے۔ اور لارڈ ریڈنگ نے جن الفاظ اور لہجہ میں اُس خط کا جواب دیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس سے نظام حیدرآباد کے اقتدار کو سخت صدمہ پہونچا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ برار کا مسئلہ عرصہ کیلئے التوار میں پڑ گیا اگرچہ عوام نے لارڈ ریڈنگ کے جواب کو برطانیہ کا آخری جواب سمجھا، لیکن اعلحضرت حضور نظام موقع کے منتظر رہے۔ لارڈ ریڈنگ کے بعد لارڈ ارون کا زمانہ شروع ہوا۔ وہ اپنے پیشرو سے بہت مختلف المزاج تھے۔ جہاں تک اختیارات کے دینے لینے کا تعلق ہے، وہ تو ہندوستان کے ہر وایسرے کے اختیار سے باہر ہے، لیکن لارڈ ارون چونکہ معقول پسند تھے اس لئے انھوں نے لارڈ ریڈنگ کا سا ناگوار لہجہ اختیار نہیں کیا اور معاملات کو ہمدردانہ نظر سے دیکھتے رہے، حضور نظام سے برار کی گفتگو پھر چھڑ گئی، خوش قسمتی سے اُسی زمانہ میں راونڈ ٹیبل کانفرنس شروع ہوگئی اور اس میں دیسی ریاستوں کے نمائندے بھی شریک کئے گئے، کانفرنس مذکور کے تینوں اجلاسوں کے دوران میں حیدرآباد کے نمائندے برار کے مسئلہ پر وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے دیگر ممتاز اراکین سے گفتگو کرتے رہے، خبر رسان ایجنسیوں سے اب تک جو کچھ اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ برطانیہ نظام گورنمنٹ کو برار واپس کرنے کیلئے تیار ہے لیکن ابھی شرائط طے ہونے باقی ہیں ہمارے خیال میں نظام کو یہ بھی ایک بڑی کامیابی ہے کہ برطانیہ اس حد تک آمادہ ہے اس سلسلہ میں بعض ایسی اطلاعیں بھی موصول ہوئی ہیں۔ جن کی معقولیت میں ہمیں شبہ ہے، مثلاً یہ کہ برطانیہ کا نظام گورنمنٹ سے یہ مطالبہ ہے کہ نظام گورنمنٹ برطانیہ کو تمام روپیہ ادا کرے، جو برطانیہ کا برار کے انتظام پر اس وقت تک صرف ہوا ہے، ہم اسوقت ان جزویات میں پڑنا نہیں چاہتے لیکن جبوقت برطانیہ کے تمام مطالبات سامنے ہوں گے اس مطالبہ کا یہ جواب دیا جائے گا کہ برطانیہ کو خرچ کے ساتھ آمدنی بھی تو ہوئی ہے، پھر اس قسم کے مطالبہ کے کیا معنے برطانیہ کی طرف سے اس قسم کے مطالبات ایک طرف ہیں اور دوسری طرف برطانوی ہند و نیز برار کے بعض حلقوں سے برار کی واپسی کی مخالفت کیجا رہی ہے سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو دخل در معقولات کا حق ہے یا نہیں؟ بیشک یہ صحیح ہے کہ اہل برار کو شورش کرنے سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا وہ ضرور شور مچائیں گے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انفکاک برار کے معاملہ میں وہ کوئی فریق بھی ہیں یا نہیں؟ اس تحقیقات کے لیے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ جس وقت حکومت ہند نے نظام گورنمنٹ سے برار عارضی طور پر لیا تھا اس وقت بھی برار میں استصواب رائے عامہ کیا گیا تھا۔ نہیں کیا گیا۔ اہل برار اس معاہدہ میں جو حکومت ہند اور حکومت برار کے درمیان ہوا۔ ابتدا ہی سے کوئی فریق نہیں گردانے گئے لہذا اب بھی ان کا ایجیٹیشن، ان کا احتجاج اور ان کی شورش اس معاملہ کے تصفیہ پر کوئی اثر نہیں کر سکتی اور برطانیہ کو اہل برار کے احتجاج کو حجت قرار دینا کیا اس کو ذکر میں لانے کا بھی حق نہیں ہے۔

غلط فہمی نہ ہو ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رائے عامہ کوئی چیز نہیں اور لوگوں کو اپنے وطن کے مستقبل کے متعلق رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر سے تو سوائے رائے عامہ کے اس معاملہ میں کوئی دوسرا حکم ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہاں معاملہ کی صورت بالکل مختلف ہے جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے اس معاملہ میں برار کوئی فریق نہیں ہے۔ برار کے معاملہ کا فیصلہ دنیا کے تمام مروجہ آئینوں کی رو سے صرف اس معاہدہ کی شرائط تک محدود رہنا چاہیئے۔ جس کے جواز میں بہت شبہ ہے اور جس کی رو سے برار پر حکومت برطانیہ نے قبضہ کیا ہے

(از [illegible])

استردادِ برار

(از حضرت حکیم آزاد انصاری)

اک مدت سے معلق تھی — قسمتِ استرداد برار
چشمِ خرد سے پنہاں تھی — حکمتِ استرداد برار
غیر مصدّق خبریں تھیں — نسبتِ استرداد برار
غیر موثّق دعوے تھے — بابتِ استرداد برار
شکر ہے، اچھی سچ نکلی — شہرتِ استرداد برار
واقعہ یہ ہے، حق پر تھی — حجّتِ استرداد برار
غیب سے حق نے پیدا کی — صورتِ استرداد برار
پہلے حکومت ہند نے کی — نیّتِ استرداد برار
بعد ازاں انگلینڈ نے دی — رخصتِ استرداد برار
اس لیے کم سے کم سمجھو — مدّتِ استرداد برار
مژدہ ہو، نزدیک آ پہنچی — ساعتِ استرداد برار
خوش ہو کہ ہونیوالی ہے — رویتِ استرداد برار
اہلِ نظر سے کہتی ہے — سرعتِ استرداد برار
انشاء اللہ! اب آئی — نوبتِ استرداد برار
انشاء اللہ! اب پائی — دولتِ استرداد برار

ردِّ عمل کی باری ہے
مرگ اجارہ داری ہے

[1] بس کہ قرینِ نصفت ہے — بمہلتِ استرداد برار

نواب معین الملک سر سید علی امام سابق صدر اعظم دولت آصفیہ



(جنہوں نے مطالبہ استرداد برار کے سلسلہ میں حضرت اقدس و اعلیٰ کی خوب نمائندگی کی)

نواب حیدر نواز جنگ بہادر سر اکبر حیدری صدر المہام فنانس
و صدر حیدرآبادی وفد (گول میز کانفرنس)



جو مطالبہ استرداد برار کے متعلق برطانوی حکومت اور حکومت ہند کے آگے اعلحضرت
بندگانعالی کی وکالت فرما رہے ہیں۔ اور توقع ہے کہ آپ کی مساعی کامیاب ہونگی

اِستردادِ برار کے مفروضہ شرائط پر ایک نظر

(از)

مسٹر ایم۔ وی بھاگیہ ریڈی ورما ایڈیٹر بھاگیہ نگر پتریکا و لیڈر آدی ہندو مومنٹ حیدرآباد دکن

برار کے استرداد کا مسئلہ ہندوستان کے جدید دستور کی تدوین کے موقع پر بہت ہی اہم ہو گیا ہے۔ لارڈ ریڈنگ سابق وائسرائے ہند کے اس جواب کے بعد جو برطانوی حکومت کے غیر منصفانہ اور غیر منطقی استدلالات کا نتیجہ تھا بظاہر اس بات کی توقع نہیں تھی کہ یہ مسئلہ مستقبل قریب میں پھر برطانوی حکومت کو متوجہ کر لیگا لیکن وفاقی دستور کی تشکیل کے اسکیم کے ساتھ جب ریاستوں کی آیندہ حیثیت اور ان کے مفاد کی حفاظت کا سوال پیش آیا تو برار کا مسئلہ پھر معرض بحث میں آگیا۔ گول میز کانفرنس کے گزشتہ اجلاسوں میں ہمارے وفد اور برطانوی مدبرین کے درمیان برار پر بہت کچھ گفت و شنید ہو چکی ہے لیکن کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں جو ابھی ابھی ختم ہو لیے ہیں یہ سنکر اطمینان ہوا کہ سر سیموئل ہور وزیر ہند بھی اس گفت و شنید کی کامیابی کا یقین کرنے لگے ہیں۔

برار کی آیندہ حیثیت کیا ہوگی؟

برار کی آیندہ حیثیت کے متعلق وزیر ہند کے اس بیان کے بعد جو لندن میں ڈنر کے موقع پر دیا گیا تھا بعض حلقوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ گو حضور پر نور اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے دعاوی اور برطانوی حکومت کے منصفانہ رجحان سے یہ ظاہر ہے کہ مستقبل قریب میں برار حیدرآباد کو واپس کر دیا جائے گا اور اس کی حیثیت ویسی ہی ہوگی جو ہماری مملکت کے ایک علاقہ کی ہو سکتی ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ استرداد برار کے سلسلہ میں بعض حلقوں میں عجیب و غریب خیالات کا اظہار ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک خیال یہ بھی ہے کہ برطانوی حکومت حیدرآباد سے ایک معقول رقم وصول کرنے کے بعد یہ علاقہ واپس کرے گی۔

برطانوی حکومت کے شرائط یا مخالفین کی تجاویز

برار کے متعلق

مخالفین کے حلقوں میں برطانوی حکومت کے نام سے جن شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے ان کے بارے میں کچھ کہنا فضول ہے حیدرآباد اور برطانیہ کے حکومتوں کے مابین اس وقت تک گفت و شنید ہوئی وہ ابھی پردہ راز میں ہے جو حکومت نے اعلیٰ حضرت حضور نظام کے برار پر شاہی حقوق کو تسلیم کر لیا ہے لیکن استرداد برار کے متعلق ایسی چیزوں کا تصفیہ اب بھی باقی ہے جو حکومت آصفیہ اور حکومت ہند کے نمائندوں کے درمیان مزید گفت و شنید کے بعد بالکل واضح ہو جائیں گی۔ ان زیر بحث مسائل و شرائط کو بیرونی اشخاص عجیب و غریب انداز میں پیش کر رہے ہیں مثلاً بعض حلقوں میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ برطانوی حکومت حیدرآباد سے ایک معقول رقم وصول کر کے برار واپس کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اعلیٰ حضرت بندگان عالی یہ رقم ادا کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس مفروضہ شرط کی مضحکہ خیزی سے صاف ظاہر ہے کہ یہ طبقہ جو اس خیال کا بانی ہے اعلیحضرت کے جائز مطالبہ سے ناآشنا ہے ورنہ اسے معلوم ہوتا کہ ایک ایسے علاقہ کی واپسی کے متعلق یہ شرط کوئی سمجھدار حکومت کبھی نہیں کر سکتی جس پر ایک دوسری حلیف حکومت کو ہر طرح شاہی حقوق حاصل ہیں برطانوی مدبرین اور خود سر سیموئیل ہور اس کا اعتراف کر چکے ہیں کہ تاجدار دکن کا مطالبہ بہت معقول اور حق بجانب ہے۔ اس اعتراف کے یہ معنی ہیں کہ برطانوی حکومت برار کے سلسلہ میں وہ تمام حقوق واپس کرنے کے لیے تیار ہے جو اس کو اب تک حاصل رہے ہیں۔ کسی علاقہ کی خریدی کا سوال شاید اس وقت موزوں ہوتا جبکہ ہمارا اس پر کوئی حق نہ ہو۔ مگر یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ جو علاقے از روئے معاہدات ہمیں واپس ملنے چاہئیں ان میں سے صرف ایک برار کی واپسی کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔ پھر استرداد کے سلسلہ میں ایک بڑی خطیر رقم کی ادائی کے آخر کیا معنی ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے یہ شرط مخالفین کی خانہ ساز ہے جس کا اب تک برطانوی حکومت کو خیال بھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ برطانوی حکومت۔ حکومت نظام سے وہ اخراجات طلب کرنا چاہتی ہے جو اب تک برار کی مادی ترقی کے لیے صرف کئے گئے ہیں یہ ظاہر یہ مطالبہ بہت معقول معلوم ہوتا ہے اس مطالبہ کے بعد حیدرآباد کو یہ بھی حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ یہ جانچ پڑتال کرے کہ برار کی آمدنی کیا رہی۔ براریوں کی فلاح و بہبود پر کتنا خرچ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں یہ چیز صاف طور پر ظاہر ہو جائے گی کہ برار سے کیا منفعت اٹھا رہا ہے اور خود برار کے باشندوں کی مادی ترقی کے لیے اس آمدنی کا نصف بھی مشکل سے صرف ہوا جو یہ علاقہ پیدا کرتا رہا ہے ان حقایق کی موجودگی میں کسی کو یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ اس قسم کی شرط پیش کرے۔

برار حیدرآباد کے تحت رہیگا مگر حکومت سی پی کی ہوگی

مجھے یہ دیکھکر انتہائی رنج ہوتا ہے کہ اس نوعیت کے غیر ذمہ دارانہ اور غیر منصفانہ خیالات کا ان لوگوں کی طرف سے اظہار ہو رہا ہے جو حق و انصاف کی وکالت کرنے کا دعوی کرتے ہیں مملکت آصفیہ اور مملکت برطانیہ کے مابین شرائط کا ابھی نہ تو تصفیہ ہوا ہے اور نہ وہ اب تک زیر بحث آئے ہیں لیکن اس سے پہلے ہی مفسدہ پرداز اشخاص حکومت کے سامنے تجویزیں پیش کرکے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ برطانوی حکومت کا ارادہ خدانخواستہ وہی ہے جس کا وہ مختلف صورتوں میں اظہار کرتے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ برطانوی حکومت برار کو اس طرح واپس کرے گی کہ وہ حیدرآباد کا ایک علاقہ تو رہے گا مگر عملاً سی پی کی اس پر حکومت رہے گی مثلاً اعلیٰ حضرت اپنی طرف سے برار کے گورنر کا تقرر کر دیا کریں گے برار ان کی مملکت کے زیر نگیں ہوگا مگر اندرونی معاملات پر سی پی کو پورا اقتدار حاصل رہے گا۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بیان کردہ نقطہ نظر برطانوی حکومت کا نہیں ہے لیکن اگر ایسی صورت پیش بھی آئے تو حیدرآباد اس بات کو کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا کہ اس قسم کی شرائط منظور کرنے کیلئے کوئی بھی توجہ کرے استرداد برار کے متعلق حضور پر نور اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے حقوق کا جب اعتراف کر لیا جاتا ہے تو اس کے بعد کوئی چیز رکاوٹ نہیں پیش کر سکتی۔ جب حکومت نے یہ علاقہ حیدرآباد سے حاصل کیا تھا تو اس پر حیدرآباد کا پورا اقتدار مسلط تھا اور جب یہ واپس ہو تو سارے اختیارات اور حقوق بھی واپس ملنے چاہئیں۔

برطانوی حکومت سے اپیل

استرداد برار کے سلسلہ میں برطانوی حکومت کے موجودہ نقطہ نظر کو ہم اطمینان و تشکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ اس نے سابقہ بے انصافیوں کی تلافی کا تہیہ کر لیا ہے اور ہندوستان کی اس ریاست کا ایک اہم علاقہ واپس کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو ابتدا سے اس کی ملکیت رہی ہے۔ ہم اس موقع پر جب گفت و شنید ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پہونچی ہے۔ برطانوی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ حق و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور برار کا علاقہ اس طرح حیدرآباد کو واپس کر دے کہ اس پر اسے پورے شاہی حقوق حاصل رہیں حکومت کے اسی منصفانہ طرز عمل سے ایک طرف تو حق حقدار کو ملے گا اور دوسری طرف برار کے باشندے ہمارے ساتھ انہیں نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے جو اس دور عثمانی میں ہمیں حاصل ہیں اعلیٰحضرت تاجدار دکن کی جمہور نوازی نے حیدرآباد کی ترقی و تہذیب کو سطح پر لانے کا جو زبردست کام انجام دیا ہے اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں اور توقع ہے کہ برار بھی ہمارے جمہور نواز بادشاہ کے زیر سایہ ایسی زبردست ترقی کرے گا جس کا برطانوی ہند کے عوام کو خواب و خیال بھی نہیں ہے

(بقیہ مسئلہ برار صفحہ ۳۷)

اہل برار حکومت برطانیہ کی عارضی رعایا ہیں اور حکومت نظام کی مستقل، گویا ان کو مستقل شہری کی حیثیت حکومت نظام میں حاصل ہے وہ اپنی حکومت سے ہر سیاسی مطالبہ کر سکتے ہیں حکومت ہند کو ان کے ایجیٹیشن کا جواب یہی دینا چاہئے اور واقعی یہی جواب حکومت ہند نے اب تک دوسری دیسی ریاستوں کی رعایا کو دیا ہے اس وقت قریب قریب تمام دیسی ریاستوں کی رعایا اپنی حکومت کا مطالبہ کر رہی ہے اور حکومت ہند ان کے اس مطالبہ میں اس وقت تک کہیں تائید کرنے کے لیے آمادہ نہیں حکومت برطانیہ کو یہی طرز عمل برار میں بھی قایم رکھنا چاہئے صوبہ متوسط کی طرف سے برار کی واپسی کی اس بنا پر مخالفت کی جارہی ہے کہ اگر برار واپس ہو گیا تو صوبہ کا خرچ بقیہ حصہ ملک سے نہ چل سکے گا لیکن یہ کوئی معقول دلیل نہیں نظام صوبہ کا خرچ چلانے کے ذمہ دار نہیں فرض کرو کہ برار کی موجودگی میں بھی اگر خرچ پورا نہ ہو تو کیا نظام سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ آمد و خرچ کا فرق پورا کرنے کے لیے اپنی مملکت کا کچھ اور علاقہ صوبہ متوسط میں شامل کر دیں۔ ہمیں یقین ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ میں اس لچر دعوی کی کوئی شنوائی نہیں ہو سکتی البتہ اس سے ایک بات کا پتہ چل گیا کہ آمدنی اتنی ہے کہ وہ اپنے اخراجات پورے کرنے کے بعد فاضل آمدنی صوبہ متوسط کے اخراجات پورے کرنے کے لیے دلسکتا ہے لہذا اب یہ دعوی ذرا مشکل سے کیا جا سکے گا کہ برار پر حکومت ہند نے اپنا روپیہ خرچ کر دیا ہے۔

(بقیہ سلسلہ اعلیٰحضرت برار کے حقیقی مالک ہیں)

از سر نو تنظیم و تشکیل ہوگی اس موقع پر برار کو حیدرآباد کے تحت آجانا چاہئے کیونکہ ضرورت اور پریشانی کے وقت صحیح مستفید ہو سکتا ہے۔ اہل برار اور حیدرآباد اس اتحاد سے خوش رہ سکتے ہیں استرداد برار کی مخالفت میں جو استدلال پیش کئے جاتے ہیں ان کے متعلق میں اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں اور بیرونی افراد کی مخالفت کو تعصب اور غیر ذمہ داری کا نتیجہ سمجھتا ہوں سر اکبر حیدری کے تدبر اور فراست کے آگے ہم خراج ستائش پیش کر سکتے ہیں جنہوں نے برطانوی حکومت کو سمجھا دیا کہ اپنے یار وفادار کے ساتھ اس وقت اس کا سلوک کیسا ہونا چاہئے۔

استرداد برار کے خلاف بعض ہندوؤں کا غلط پروپگنڈا

(از مولوی غلام رسول مہر بی۔ اے مدیر انقلاب)

معلوم ہوتا ہے کہ استرداد برار کے ضمن میں بعض ہندو اب تک فتنہ انگیزی کیے دیتے ہیں اگرچہ یہ واضح ہے کہ ان کی فتنہ انگیزی بالکل بے موقع، بے سود و بے نتیجہ ہے۔ برار کا مسئلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ نہیں بلکہ دولت آصفیہ اور حکومت ہند کا مسئلہ ہے۔ حامیان استرداد برار کا دعویٰ یہ ہے کہ اس علاقے پر حکومت کا قابض و متصرف ہونا ہرگز مناسب نہ تھا اور جس طریق پر لارڈ کرزن نے اعلیٰحضرت میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور سابق فرمانروائے دولت آصفیہ سے برار کا دوامی پٹہ حاصل کیا وہ طریق ہر لحاظ سے قابل اعتراض تھا اب موقع ہے کہ حکومت ہند اپنے کارکنوں کے ایک نامناسب فعل کی تلافی کر دے اور دولت آصفیہ کے دیرینہ تعلقات اعانت و رفاقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت مذکور کے لیے یہی زیبا ہے کہ ان تعلقات کے دامن پر کوئی دھبہ باقی نہ رہنے دے۔ یہ خالص قانونی مسئلہ ہے۔ تاریخی وثائق شاہد ہیں کہ برار پر دولت آصفیہ کا حق مسلم ہے۔ دولت مذکور کی سیادت و دوامی پٹے میں بھی غیر مشتبہ طور پر قائم رکھی گئی ہے لہذا اس مسئلہ کا فیصلہ محض قانون کی بنا پر ہونا چاہیے جب یہ ثابت ہے کہ برار پر حکومت ہند کا تصرف ناجائز تھا اور اس بیش بہا علاقے کو دولت آصفیہ سے علیحدہ کرنے کے جواز میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ اسے اعلیٰحضرت شہریار دکن کے حوالے کر دے۔ اعلیٰحضرت برار کی رعایا کی بہتری فلاح اور بہبود کے لیے جو انتظام مناسب سمجھیں نافذ فرمائیں لیکن افسوس کہ ہندوؤں نے خواہ مخواہ اسے ہندو مسلم مسئلہ بنانے کا ارادہ کر رکھا ہے

فری پریس کی ایک تازہ اطلاع مظہر ہے کہ اب یہ مسئلہ صوبجات متوسط کی کونسل کے اجلاس میں پیش ہوگا اور سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کا ایک اخبار اس بات پر زور دے رہا ہے کہ جس طرح علیحدگی برما کے مسئلہ پر عام انتخاب ہوا تھا اسی طرح برار کو صوبجات متوسط سے علیحدہ کرنے کے مسئلہ پر بھی عام انتخاب ہو جائے اور اس انتخاب سے قبل معلوم نہیں ہو سکتا کہ اہل برار کیا چاہتے ہیں؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صوبجات متوسط کی کونسل کے بعض ممبر خود کونسل میں بھی سوال اٹھانا چاہتے ہیں

استصواب رائے عامہ کا ڈھونگ

ہم استرداد برار کے متعلق استصواب رائے عامہ کے مسئلے پر قبل ازیں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ جس وقت برار کو دولت آصفیہ سے علیحدہ کر کے براہ راست حکومت ہند کے زیر انتظام لایا گیا تھا اور اسے صوبجات متوسط سے ملایا گیا تھا تو کیا اس وقت اہل برار سے پوچھ لیا گیا تھا اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد یہ قدم اٹھایا گیا تھا؟ کیا کوئی ہندو ممبر کونسل یا سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کا کوئی رکن ہمیں بتائیگا کہ لارڈ ڈلہوزی کے عہد سے لیکر لارڈ کرزن کے عہد تک یعنی ۱۸۵۳ء اور ۱۹۰۲ء کے درمیان کس موقع پر اہل برار سے استصواب کیا گیا، کس موقع پر ان کی رائے لی گئی اور کس موقع پر ان کی خواہشات کو بنیاد فیصلہ بنایا گیا؟ اگر برار پر قابض و متصرف ہوتے وقت اہل برار کی رائے نہیں پوچھی گئی تھی تو اب یہ سوال اٹھانے کی گنجائش کہاں سے نکل آئی؟ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ یہ مسئلہ پہلے ہی قانونی تھا اور اب بھی قانونی ہے۔ پہلے حکومت ہند نے قانون کا غلط استعمال کیا اور اب ضروری ہے کہ اس غلطی کی تلافی ہو جائے۔ حکومت ہند نے خواہ مخواہ ایک گرانقدر رقم دولت آصفیہ کے ذمہ لگائی اور اس رقم کی وصولی کے ضمن میں برار کا انتظام سنبھالا جسے لارڈ کرزن نے دوامی پٹے کی صورت دے دی۔ اب ثابت ہو چکا ہے کہ اس رقم کا دولت آصفیہ کے ذمہ لگانا درست نہ تھا اور اگر کوئی رقم نکلتی بھی تھی تو اس کے عوض میں برار کا دوامی پٹہ لکھوا لینے کے لیے کوئی وجہ جواز پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس ضمن میں اہل برار سے استصواب کا سوال کسی طرح بھی درمیان میں نہیں آتا۔ استصواب اسی صورت میں ضروری تھا کہ پہلے انتظام کو منتقل کرنے کے لیے اسے بنیاد بنایا گیا ہوتا یا دیسی ریاستوں کے علاقہ جات کو برطانوی ہند میں شامل کرنے یا برطانوی ہند سے علیحدہ کر کے دوبارہ ریاستوں میں ملا دینے سے متعلق استصواب پر عمل ہوتا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ برار دولت آصفیہ کا جزو ہے اور اسے بہرحال دولت آصفیہ کا جزو رہنا چاہیے۔

ہندوؤں کی حریت طلبی

ہم عرض کر چکے ہیں کہ صرف یہی ایک واقعہ ہندوؤں کی حریت دوستی اور آزادی طلبی حقیقت آشکار کر دینے کے لیے کافی ہے کہ سال سے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ ہندوستان پر اغیار کی حکومت کے بجائے ہندوستانیوں کی حکومت قائم ہونی چاہیے۔ اس حقیقت کا بھی ہر شخص کو اعتراف ہے کہ دیسی ریاستوں کے فرمانروا بہرحال ہندوستانی ہیں خواہ ان کے جاری کردہ ادارات کی حیثیت کتنی ہی قابل اعتراض ہو۔ یہ بھی مسلمہ اصول ہے کہ اپنی حکومت خواہ کتنی ہی بری ہو لیکن غیر ملکی بہتر سے بہتر حکومت کے مقابلہ میں ہزار درجہ قابل ترجیح ہے لیکن یہ کس درجہ تعجب خیز امر ہے کہ ہندو استرداد برار کے سلسلے میں ان تمام حقائق کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ نہ انہیں اپنی حریت طلبی کا خیال رہا ہے نہ یہ یاد رہا ہے کہ برار دولت آصفیہ کے پاس جا رہا ہے جس کی رعیت پروری اور رعیت نوازی کم از کم اس دور میں بالکل یگانہ ہے پھر کیا استرداد برار پر اعتراض صرف اس وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے کہ اعلیٰحضرت شہریار دکن حلقہ بگوش اسلام ہیں؟ معلوم ہے کہ ہندوستان کو بہ حالات موجودہ کتنے ہی اختیارات مل جائیں لیکن اس کے ساتھ حکومت برطانیہ کا حاکمانہ تعلق بہرحال قائم رہے گا اور گاندھی جی مالوی جی اور تمام دوسرے لیڈر اس تعلق کے قیام کے خود اقراری ہیں لیکن ہندوؤں کو یہ منظور نہیں کہ برار ایک ہندوستانی فرمانروا کے تابع فرمان آ جائے گا اگرچہ اس طرح ایک دیرینہ بے انصافی کی تلافی ہی ہوتی ہے اس کے برعکس وہ بے انصافی کو قائم رکھنے پر مصر ہیں اور چاہتے ہیں کہ حکومت ہند کے تابع رہیں مگر ہندوستانی فرمانروا کے تابع فرمان و آئین کیا ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے استرداد برار کا کوئی مخالف ایک لمحہ کے لیے بھی آزادی، حریت یا خود اختیاری نظام حکومت کا کوئی دعویٰ زبان پر لا سکتا ہے؟

صرف یہی ایک وقت اور روپیہ کے کفایت کا ضامن ہے



کے اقسام	کے خصوصیات
ٹوئیڈ	پائیدار
ویسٹنگ	خوبصورت
سرج	خوش وضع
فلالین	خوش رنگ
مخمل	دلکش ڈزاین

ہرشخص کی زبان پر صرف "سن برج" ہی "سن برج" ہے،

"ایڈمو"
رئیس اعلانیات

سن برج ہاؤس مصطفےٰ بازار
عابد بلڈنگس حیدرآباد دکن



دنیا کے تمام ہیر آئیل ایک طرف
اور
نظام ویجیٹبل ہیر آئیل ایک طرف

تجربہ بتائے گا کہ

یہہ آواز ہماری نہیں بلکہ درحقیقت آپ ہی کی ہے

تیار کردہ

دکن ہیر آئیل کمپنی
حیدرآباد دکن

گلشن پبلسٹی

"MATT-BITU"

مٹ بیٹو
عجوبہ روزگار رنگ

(۱) قیمت میں ڈسٹمپر سے ارزاں (۲) نتیجہ میں آئیل پینٹ کا مقابلہ کرتا ہے۔ (۳) عمل میں ہر رنگ سے زیادہ صحت بخش و خوش گوار۔ (۴) عمر میں دنیا کے دوسرے سب رنگوں سے پائیدار اور ہر موسم میں ایک ہی طرح قایم رہتا ہے۔ سردی گرمی یا برسات سے متاثر نہیں ہوتا (۵) خوبصورتی میں لاثانی۔ جو نسخہ مختلف گہرے و ہلکے رنگوں میں ملتا ہے۔ (۶) اس رنگ سے رنگی ہوئی دیوار پر اگر تیل یا سیاہی وغیرہ کا دھبہ پڑ جائے۔ تو دھ گیلے کپڑے سے دیوار کے رنگ کو خراب کئے بغیر اسی طرح صاف ہوجاتا ہے جس طرح آئینہ۔ (۷) دیوار پر لگاتے ہی خشک ہوجاتا ہے گیلی دیواروں پر بھی کامیابی سے ہوتا ہے۔ اور نم زدہ دیواروں کی بہایت بد نمائی "مٹ بیٹو" مٹا دیتا ہے۔ (۸) ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، بیڈ روم، ڈریسنگ روم۔ باتھ روم، برانڈہ، باورچی خانہ ہوٹل یا کلب گھر، ورک شاپ یا اسکولوں میں یکساں طور پر اپنی ارزانی کے باعث کامیاب ثابت ہوا ہے۔ تمام ہندوستان میں قابل انجینیرنگ ایجنٹوں کی ضرورت ہے مفصل حالات میسرز رحیم بخش خاں اینڈ کمپنی انجنیرز وغیرہ ریذیڈنسی روڈ ترپ بازار حیدرآباد دکن سے دریافت فرمائیے۔

ملکی مال ملکی صنعت ملکی فائدہ!

دی ممتاز جام فیکٹری دار الشفاء حیدرآباد

جس میں بہترین و خوش گوار، شربت و مربے و آچار، و چٹنی حلوے مٹھائیاں ہر وقت تیار، اور مصنوعی میوہ جات آرڈر دینے پر بنتے ہیں طلب کرکے لطف اٹھائیے۔ اور ملکی صنعت کو فروغ دیجیے۔

فہرست مفت اور تاجروں سے رعایت

اضلاع پر مال بذریعہ وی۔پی

صحت اور طاقت!

کے متلاشی غور کریں،

تجربہ سے پہلے بدظن ہونا عقلمندی نہیں

مفت امتحان کرنیکا ایک طریقہ

شفاخانہ سعادت منزل اپنی بیس سالہ خدمات کی بناء پر ہر طرح اس قابل ہے کہ آپ اُس پر اعتماد کریں کیونکہ شفاخانہ کا مقصد بجائے آپ سے فائدہ اٹھانے کی بجائے آپ کو فائدہ پہنچانا ہے! اور اس کے اشتہار کا مقصد آپ کو دھوکہ دینے کی بجائے آپ کو دھوکے سے محفوظ رکھنا ہے۔ مگر پھر بھی آپ کے مزید اطمینان کے لئے شفاخانے نے یہ طریقہ جاری کیا ہے۔ کہ آپ خاص ادویہ کو نمونے کے طور پر بالکل مفت حاصل فرما سکتے ہیں۔

شفاخانہ کی مخصوص ادویہ کے علاوہ آپ اپنی ہر شکایت کے متعلق قطع نظر اس سے کہ آپ دور ہیں یا نزدیک شفاخانہ کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

طبی مشورہ ہر حالت میں مفت اور بہمہ روانہ ہوگا

شفاخانہ کے مخصوص مرکبات کی فہرست کو بنظر اطمینان ملاحظہ فرمایئے۔ تمام مرکبات ہر مزاج اور ہر مقام کے لئے سو فیصدی مفید ثابت ہو چکی ہیں۔ تجربہ بہترین کسوٹی ہے۔

حب اکسیر البدن

کمزور جوانوں اور از کار رفتہ معمر دن کے لئے آب حیات کا کام دیتی ہیں۔ خون کو بڑھاتی بدن کو فربہ، اور پٹھوں کو مضبوط کرتی ہیں۔ مقوی باہ، دافع جریان اور گردہ و مثانہ کی کمزوری کو دور کرنے والی بے نظیر اور سریع التاثیر گولیاں ۳۰ عدد عہ ۶۰ عدد للعہ نمونہ برائے ۴ یوم مفت۔

روغن طلاء نادرشاہی

بے ضرر اور پر تاثیر، فرحت طلب کاشا ہکار رگوں میں تازگی اور دوران خون میں تیزی پیدا کرکے اصلی قوت کو بحال کرتا ہے۔ زیادہ تعریف خلاف تہذیب ہے شیشی خورد عہ کلاں عما نمونہ ۳ یوم مفت

خضاب دکن اسٹار

دو منٹ میں بالوں کو قدرتی رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ بالکل بے ضرر اور سہل ترکیب ہے۔ نازک مزاج اصحاب عرق و دیگر اصحاب سفوف طلب فرمادیں۔ قیمت سرد و شیشی کلاں ۱۲ اشیشی بطور نمونہ ۲ر

سرمہ نور نظر

اچھی حالت میں آنکھوں کا بیمہ اور ضعف بصر تاریکی نزلہ، پڑبال۔ دائمی سرخی، زرد پانی دھند جالا پردہ پھولا۔ وغیرہ جملہ امراض کو دور کرنے والا شیشی خورد (عہ) کلاں (عیر)

شاہانہ علاج

دوا ہم غذا یعنی غذا میں دوا استعمال کرنے کا انوکھا طریقہ، نہ غذا بدمزہ ہو نہ دوا کے اثر میں کمی۔ مفصل حالات معلوم کیجئے۔

نمونہ۔ مقامی مفت اضلاع کیلئے ۳ر کے ٹکٹ بھیجئے

منیجر شفاخانہ سعادت منزل (زیر سرپرستی عالیجناب مولوی حکیم سید سجاد علی صاحب) متصل مطب معالج امراض کہنہ شاہ علی بنڈہ روبرو حمام حیدرآباد دکن

حیدرآباد کا دل

از صاحبزادہ میر علیم الدین علی خاں صاحب علیمؔ (عثمانیہ) معتمد مجلس صاحبزادگان

اہلِ برطانیہ کی زلف سیاست میں علیمؔ — ایک دیوانِ دکن جو تھا سراپا غدار
ملک و مالک سے دغا کر کے پھنسا ہی ڈالا — حیدرآباد کے دل کو جسے کہتے ہیں "برار"
ہمنشیں تو ہی بتا دل جو نہ ہو پہلو میں! — جانِ بے تاب کو کس طرح سے پھر آئے قرار؟
آہ وزاری کی بہت ملک نے ہو کر بیچین — نہ سنی ایک بھی۔ دینے سے کیا صاف انکار
سعی کی اپنے زمانہ کے ہر اک آصف نے — چھین سکتا ہے کوئی شیر کے پنجہ سے شکار؟
دل کے ارمان لیے دلمیں جہاں سے اُٹھے! — نہ ملا پر نہ ملا واپس انھیں ملکِ برار
شور اس کے لیے اک ملک کے خادم نے کیا — قصر مغرب میں کہاں جاتی ہے طوطی کی پکار
دھمکیاں دے کے زبان بند کیا اُس کو بھی — اہلِ برطانیہ کے عدل و صداقت کے نثار!
تھی یہ دولت تو نصیبے میں شہ عثماں کے — واپسی کے لیے مدت سے تھا جس پہ اصرار
پیش کیں ایسی دلیلیں کہ ہوے سب قائل — صورتِ حرفِ غلط مٹ گیا لفظِ انکار
چھوڑ دینے کے لیے ہو گئے اب آمادہ — واہ کیا آصفِ سابع کے ہیں طالع بیدار
ساقیا محفلِ عشرت کی کر اب تیاری — تجھکو کرنا ہے تمام اہلِ دکن کو سرشار
چھا گیا چرخ پہ وہ دیکھنا ابرِ رحمت — نئے انداز نئے طرز سے آتی ہے بہار
یعنی آنیکو ہے پھر زیرِ نگینِ عثماں — حیدرآباد کا بچھڑا ہوا دل ملکِ برار
مدرِ شہوار کی اللہ رے مبارک قدمی — اب تو بنتے کو ہیں اعظم بھی "پرنس آف برار"

دیر ہو یا جلد مگر پاتا ہے حق اپنا علیمؔ
عدل و انصافِ خدائے دو جہاں سے حقدار

برار کی آئینی حیثیت

از مولوی سید معین الرحمن صاحب ایم ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ اکولہ برار

مسئلہ استرداد برار کے متعلق مسٹر میونیل ہور کی مدبرانہ تقریر نے برار کے بعض حلقوں میں ایک ہیجان پیدا کردیا ہے مگر یہ امر باعث اطمینان ہے کہ یہ زہریلی ذہنیت ہندو ہماسبھا اور اسکے ہوا خواہوں تک محدود ہے۔ سی۔ پی و برار کے ہندو نواز اخبارات اور صوبہ کے ہندو لیڈروں کے بیانات میں اسی فرسودہ دلیل کی تکرار کی جارہی ہے جس کا مفصل جواب میں (۸) سال قبل اپنی تصنیف "مراۃ البرار" اور اپنے متعدد انگریزی مضامین میں جو گذشتہ نو سال میں مختلف انگریزی جرائد میں شایع ہوے ہیں ایک سے زائد مرتبہ دے چکا ہوں۔ مسٹر تامبے سابق ہوم ممبر اور قائمقام گورنر سی۔ پی نے بھی اسی پارینہ استدلال کا نہایت شد و مد سے اعادہ فرماکر خیال ظاہر کیا ہے کہ استرداد برار کا فیصلہ اہالیان برار کی رضامندی کے بغیر نہ ہونا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں ہم اس حقیقت کو ہرگز نظر انداز نہیں کرسکتے کہ استرداد برار کے فیصلہ کا کلیتاً تعلق حکومت ہند کے محکمہ خارجیہ سے ہے۔ یہ شعبہ حکومت نہ صرف موجودہ آئین میں محکمہ فوج کے مانند ایک محکمہ "محفوظہ" ہے بلکہ آیندہ آئین میں بھی اس کی یہی نوعیت قایم رہے گی۔ تینوں گول میز کانفرنسوں کے تمام نمایندوں نے اس امر کو منظور کرلیا ہے کہ آیندہ اصلاحات میں یہ محکمہ وزراء کو تفویض نہ کیا جائیگا اور اسکے انتظام کی مکمل ذمہ داری نائب شہنشاہ یعنی وایسرائے پر عائد ہوگی خود مہاتما گاندھی نے جو دوسری گول میز کانفرنس میں کانگریس کے واحد نمایندہ تھے اس اصول کو بالآخر تسلیم کرلیا تھا۔

اس نظریہ کی موجودگی میں جہانتک مسئلہ استرداد برار کا تعلق ہے اصول رائے عامہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا جیسا کہ ہر سیاست داں واقف ہے حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے آئینی تعلقات اصول شہنشاہیت پر مبنی ہیں اور یہ حقوق شہنشاہیت نہ صرف ہندوستان بلکہ جمہوریت پسند انگلستان میں بھی مجالس وضع قوانین کے حدود و اختیارات کے باہر ہیں۔ دنیا کی متعدد ذمہ دار حکومتیں اس دور آزادی میں اسی اصول پر عمل پیرا ہیں بین الاقوامی معاہدات ان کی تکمیل سے قبل پبلک کے سامنے کبھی پیش نہیں کیے جاتے اسی طرح سلطنت برطانیہ اور دیسی ریاستوں کے

مابین جو معاہدات یا "ٹریٹیز" موجود ہیں ان کی ترمیم یا تنسیخ کا تعلق رعایا یا رعایا کے نمایندوں سے مطلق نہیں ہے۔ ہندوستانی ریاستوں کے معاہدات کی ترتیب کے وقت نہ رائے عامہ لی گئی تھی اور نہ قانوناً آج اس کی ضرورت ہے۔ سالہائے ماسبق میں استرداد بنارس اور میسور کے وقت یہی اصول مد نظر تھا اور گذشتہ سال اسی اصول کے تحت استرداد ریزیڈنسی (اندور) عمل میں آیا ہے۔ اس وقت ہمارے "جمہوریت پسند" سیاست داں کہاں تھے اور انھوں نے صدائے احتجاج کیوں بلند نہیں کی؟

مسئلہ استرداد برار کی آئینی حقیقت محض یہ ہے کہ اگر صوبہ برار اعلیٰحضرت خسرو دکن کو واپس دیدیا گیا جس کے وہ انصافاً مستحق ہیں تو حکومت ہند کے موجودہ اختیارات جن کے جواز کے خلاف ناقابل تردید دلائل میں بارہا پیش کرچکا ہوں ان میں ایک حد تک کمی واقع ہوجائے گی لہذا اگر کوئی معترض ہوسکتا ہے تو حکومت ہند نہ کہ اہالیان برار جن کا آئینا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیا حکومت ہند کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے حاصل کردہ حقوق سے دستبردار ہوجائے؟ کیا حکومت ہند کا محکمہ خارجیہ اپنے "محفوظہ" حقوق کو مہاراجہ بڑودہ یا مہاراجہ میسور سپرد نہیں کرسکتا؟ اسی طرح وہ کونسا قانون ہے جسکے مطابق برار کے دوامی پٹہ کے حقوق جو حکومت ہند کو حاصل ہیں سلطنت برطانیہ

بلا رائے عامہ اعلیٰحضرت کو منتقل نہیں کرسکتی مزید براں سنہ ۱۹۰۲ء کے دستاویز کی حیثیت محض عہدنامہ کی نہیں ہے بلکہ وہ ایک پٹہ ہے جسکے صرف دو فریق ہیں حکومت ہند اور دولت آصفیہ۔ ان دونوں فریقوں کو جنکی آئینی حیثیت فریقین کی ہے اس امر کا پورا استحقاق ہے کہ باہم رضامندی کے شرائط پٹہ میں جسطرح چاہیں ترمیم کریں۔ مسئلہ استرداد برار کا یہ آئینی پہلو ہے مگر اس کے علاوہ جب ہمیں یقین دلایا جاتا ہے کہ باشندگان برار کے حقوق میں کسی قسم کی کمی کا احتمال نہیں ہے بلکہ استرداد کے بعد باشندگان برار کو ذمہ دار حکومت کے وہ اختیارات مرحمت ہونگے جو حکومت برطانیہ برطانوی ہند کے دیگر اجزاء وقاق کو عطا کرنے والی ہے تو ایسی حالت میں نہ صرف آئینتاً بلکہ انصافاً بھی استرداد صوبہ کے خلاف کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوسکتا۔ استرداد برار سے باشندگان برار کے حقوق کیا ہوں گے انھیں سر اکبر حیدری نے دوسری گول میز کانفرنس میں صاف کردیا تھا۔ اب کسی قسم کی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ بالفاظ دیگر اعلیٰحضرت خسرو دکن باشندگان برار کو وہ حقوق دینے کیلئے رضامند ہیں جو انہیں اسوقت حاصل نہیں ہیں۔ جب استرداد برار کے معنی باشندگان برار کے موجودہ آئینی حقوق کا اضافہ ہے تو ہر جمہوریت پسند انسان کو اسکی تائید کرنی چاہئے۔ ایسی حالت میں رائے عامہ کا سوال پیدا کرنا ایک فعل مجنونانہ ہے۔ دنیا میں ایسا کونسا آئین و قانون ہے جو حاکم کو مجبور کرتا ہے کہ محکوم کے اختیارات میں بلا

رباعی

باقی نہ رہی کوئی بھی حسرت دل و جانکی کل نعمتیں قدرت سے مہیا ہے جہانکی
بر تر شہ عثماں کے عجب بخت ہیں یا ور کیا عید مبارک ہوئی ماہ رمضانکی

ایضاً

حسن گل شاداب گلستاں کیلئے ہے شوخی نگہ چشم حسیناں کیلیے ہے
اپنا تو عقیدہ ہے مگر اور ہی برتر جو کچھ بھی ہے عثمان علیخاں کیلیے ہے

قرضہ کنٹنجنٹ اور برار

از مسٹر گنڈے راؤ بی اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ

سر سیول ہور کی تقریر کے متعلق لندن سے ایک بحری تار آنے کے بعد ہر شخص یہ خیال کرنے لگا ہے کہ برار جو ہز اکزالٹیڈ ہائینس نظام کی ریاست کا ایک مکمل جزو ہے۔ اور اس کے حقدار مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ اب میں مختصر طور پر اوس شکل کا خاکہ کھینچنا چاہتا ہوں جس کے تحت برار مخصوص کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد ٹھیکے پر دیا گیا تھا۔ اس سے ناظرین کو کافی معلومات حاصل ہوگی۔ اس سے میرا مقصد کوئی اختلاف یا تلخ جذبات پیدا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ محض تاریخی نقطے سے میں ایسا کر رہا ہوں۔ جس کی واقفیت کی سخت ضرورت ہے۔ حکومت برطانیہ نے غلطی کی تھی اور اگر اب اوس نے اس غلطی کا ازالہ کر دیا تو سارے معاملات درست ہو جائیں گے۔ اور تنازع کا صلح و آشتی میں اختتام ہو جائے گا۔ اوس زمانہ میں جب یہ معاملہ اول شروع ہوا تھا۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس علاقہ کی تفویض کچھ انصاف کا پہلو لئے ہوئے تھی۔ لیکن واقعات کی تبدیلی کے ساتھ یہ اسباب جو صفائی پر مبنی تھے بدلتے گئے۔ اور دوبارہ تصفیہ عمل میں آیا۔ یکے بادیگرے جس طرح یہ زرخیز علاقے سپرد کیے گئے یا دبا لئے گئے۔ اب ہم ان پر نظر ڈالیں گے۔ کہ یہ کس قدر مبنی بر انصاف تھے؟

اسکی تاریخ کا آغاز ۱۷۹۵ء سے ہوتا ہے ۱۷۶۶ء میں نواب نظام علی خان نے حکومت برطانیہ سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کا فقرہ دو حسب ذیل تھا۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی ہز ہائینس کے اس فیاضانہ رعایت کے بدلے میں جو پانچ سرکار ایلور چیکاکول راج منڈری مصطفے نگر اور مرتضی نگر کی استادگی پر مشتمل ہے۔ اون کے اور اون کے جانشینوں کے لئے وعدہ کرتی ہے۔ کہ حسب ضرورت حکومت نظام کے امور کے تصفیہ کے لئے اپنی فوج کا ایک دستہ ہمیشہ تیار رکھے گی"۔

اب نوٹ کرنے کے قابل بات یہ ہے۔ کہ یہ پانچ زرخیز اضلاع جو مشرقی ساحل پر واقع ہیں۔ فوجی امداد کے وعدہ پر نظام نے حوالہ کئے تھے۔

۱۷۹۸ء میں پہلے معاہدے کے ٹھیک دو برس کے بعد دوسرے معاہدے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے برطانیہ نے چھ ہزار سپاہیوں کی ایک امدادی فوج رکھنے کا تہیہ کیا۔ اور اس امدادی فوج کے قیام کے لئے نظام ۰۰ او ۱۷ و ۴۴ ہیو کی سالانہ رقم دینے پر راضی ہوئے اور حکومت برطانیہ نے یہ بات منظور کی کہ یہ فوج نسل بانسل ہز ہائینس اور اون کے جانشینوں کی حفاظت اور اہم خدمات کی بجا آوری مثلاً ریاست کے اندر باغیوں یا فتنہ انگیزوں کا تدارک کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گی۔

۱۸۰۰ء میں ایک دوسرا معاہدہ ہوا جس کے رو سے ۰۰ او ۱۷ و ۴۴ روپیہ سالانہ خراج کی ادائیگی میں نظام نے اضلاع بلاری اور کرپا جن کی سالانہ آمدنی ۰۰۰, ۰۰, ۶۳ روپیہ تھی۔ حوالہ کئے قابل لحاظ امر یہ ہے کہ نظام نے دوامی اطاعت کے لئے اس رقم کی ادائی میں جو انھوں نے امدادی فوج کے قیام کے لئے دی وعدہ تھا۔ یہ اضلاع تقریباً تین مرتبہ میں تفویض کئے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شمالی علاقہ بھی اسی مقصد کے لئے نظام نے سپرد کیا تھا۔

چار سال کے وقفہ کی خواہش کرتے ہوئے نظام نے داخلی اور خارجی فوج امداد کے لئے سات اضلاع تفویض کئے لیکن اس معاملہ کا سب سے زیادہ حیرت انگیز جزو یہ ہے کہ جس کا نہایت افسوس کے ساتھ اعتراف کیا جاتا کہ کوئی فوجی امداد نہیں دیگئی۔

۱۸۰۰ء کے معاہدے کا ایک فقرہ حسب ذیل ہے۔

"عام مدافعتی اتحاد کے موجودہ معاہدے سے بفضلہ اتحاد کی گرہیں بہت مضبوط ہو جاتی ہیں۔ جس سے ایک جماعت کا دوسری جماعت کا دوست اور ایک جماعت کا دشمن دوسری جماعت کا دشمن خیال کیا جائے گا۔ یہ طے ہوا ہے اگر آئندہ شورا پور یا گدوال کے زمینداروں یا حکومت نظام کی کوئی رعایا یا ماتحت۔ اضلاع کی واجب الادا رقم کی ادائی میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔ یا بغاوت یا سرکشی کیلئے اشتعال دیں گے تو امدادی فوج یا اوس فوج کا کچھ حصہ جیسی کہ ضرورت ہوگی نظام کی فوج کے ساتھ اون کی سرکوبی کو تیار رہیگی۔"

لیکن یہ موعودہ مدد جس مستعدی اور بر زور الفاظ میں اس معاہدے میں اور ۱۷۹۶ء کے معاہدے میں اعلان کی گئی تھی کبھی نہیں دی گئی۔ جب زمینداران شورا پور نے مالیہ واجب دینے سے انکار کیا۔ اور اس کی سرکشی دیکھکر نظام نے امدادی فوج کی مدد کا مطالبہ کیا تو یہ مدد چھ ماہ کی تاخیر کے بعد دیگئی۔

یہی نہیں بلکہ ۱۸۰۴ء لارڈ کارنوالس گورنر جنرل نے نظام کو مجبور کیا کہ وہ سلحداروں کا ایک علحدہ دستہ قایم کریں۔ حالانکہ حسب ضرورت فوجی امداد کے دینے کے لئے امدادی فوج موجود تھی۔ نظام نے اوس سے انکار کیا۔ اور لارڈ کارنوالس نے اصرار کیا کہ مدافعتی اتحاد کے واجبات اندرونی فسادات اور بدامنیوں کے خلاف حکومت برطانیہ کو حکومت نظام کی ضمانت کے ذمہ دار نہیں قرار دے سکتے ہر آزاد ریاست کا فرض ہے کہ وہ خود اس کا انتظام کرے لارڈ کارنوالس کی یہ دلیل یقینی طور پر عجیب نوعیت رکھتی ہے۔ نظام کے پاس اون کی ذاتی فوج تھی علاوہ ازیں امدادی فوج کے لئے ۱۷۹۶ء میں پانچ اضلاع اور پھر ۱۸۰۰ء میں دو اضلاع ان کے حوالہ کئے تھے تاہم لارڈ کارنوالس نے اعلان کیا کہ ان کو سلحداروں کا ایک دستہ رکھنا چاہئے۔ اوس کے بعد ۱۸۰۸ء میں ایک عجیب بات وقوع پذیر ہوئی۔ رزیڈنٹ سر رسل اور نظام کے وزیر اعظم نے بلا نظام کی رضامندی یا واقفیت ایک حیدرآبادی فوج قایم کی۔ اور وہ بالکل رزیڈنٹ کے قبضہ میں تھی جس کا انتظام بے حد فضول خرچی سے کیا جاتا تھا۔ شروع میں سالانہ اخراجات اٹھ لاکھ روپیہ تک پہنچ گئے۔ اوس کے بعد آئندہ دس سال میں ۴۲ لاکھ روپیہ ہو گئے۔ اور پھر دوسرے بیس سال میں تقریباً چالیس لاکھ روپیہ ہو گیا۔ خاص بات جو نوٹ کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ نظام تین افواج یا فوجی امداد کے لئے رقم ادا کر رہے تھے۔ ایک وہ امدادی جو شمالی اضلاع کی حوالگی کے صلے میں وعدہ کی گئی تھی، دوم امدادی فوج جس کے لئے بلاری اور کرپا سپرد کئے گئے تھے۔ اور اب وہ حیدرآبادی فوج جس پر کم و بیش سالانہ چالیس لاکھ روپیہ صرف ہوتے تھے۔ اور ان سب سے بالاتر نظام کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ پیدل اور سوار دونوں اپنی ذاتی فوج رکھیں گویا برطانیہ کے سپرد ہو امید لیت و لعل پر مبنی تھے بے حد افسوس کی بات جو بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب چند زمینداروں اور جاگیرداروں کے انحراف سے اندرونی فسادات برپا ہوئے تو نظام کی امداد کی درخواست کی تعمیل نہیں کی گئی۔ اور ۹ لاکھ روپیہ کے سالانہ اخراجات سے ان کو پٹھانوں، روہیلوں عربوں اور سکھوں سے اپنی فوج بڑھانی پڑی۔ اس طرح اگر ہم تفویض شدہ علاقہ جات کے مالیہ کو شمار کریں تو ریاست حیدرآباد پر توسطاً ساڑھے ۲ کروڑ روپیہ سالانہ غیر ضروری فوجی اخراجات کا بار پڑا۔ علاوہ ازیں محض علاقہ جات اور مالیہ ہی کا نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ مزید مالی بار برداشت کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ریاست تیزی سے بربادی کے طرف جا رہی تھی۔ اور حکومت برطانیہ اس بربادی کو

سینے پر پتھر رکھکر دیکھ رہی تھی۔ اب یہاں تذکرہ کرتے ہوئے غور کرنا چاہئے کہ نظام کی صرف یہی سپردگیاں نہیں تھیں ۱۷۹۶ء میں شمالی اضلاع فوجی امداد کے لیے اور ۱۸۰۰ء میں پھر اسی مقصد کے لیے علاقہ حوالہ کرنے کے بعد جبکہ یہ امدادی فوج قایم کی گئی تھی اور ۱۸۰۷ء ایک حیدرآبادی فوج رکھنے کے لیے مجبور کیا گیا نظام کو توقع تھی کہ جنگ کی حالت میں چھ ہزار پیدل اور ۹ ہزار سوار فوج رکھنے کے بعد برطانیہ امداد کرے گی اس بڑی فوج کے لیے جب کبھی طلب کیا گیا نظام نے رسد کا پورا انتظام کیا۔ ان تمام بڑی بڑی حوالگیوں کے بعد یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حیدرآباد کی مالی حالت تباہ تھی بلا ضرورت اور بلا وجہ اور اس پر لطف یہ کہ یہ حیدرآبادی فوج اس قدر کثیر اخراجات پر نظام کے مفاد کے لیے نہیں رکھی گئی تھی اور پھر نظام کے ساتھ بلا کسی معاہدے کے جس کے قیام کے لیے انہوں نے کبھی اپنی رضامندی نہیں ظاہر کی۔ یہی حقیقت یہ ہے کہ اس فوج کی تنظیم خود برطانیہ کے مفاد کے لیے عمل میں آئی تھی۔

باوجود نظام کی خواہشات کے اس حیدرآبادی فوج کے قیام کے اسباب حسب ذیل شمار کیے جاتے ہیں۔

(۱) یہ کہ برطانی مفاد کی ترقی ہو۔

(۲) یہ کہ امدادی فوج کے اخراجات میں تخفیف۔

(۳) یہ کہ فرانسیسی مفاد کے انسداد میں اور نظام کی فوج سے غیر ملکیوں کو دور کرنے میں امداد ملے۔

(۴) نظام کے مفاد قطعی طور پر نظر انداز کردیئے گئے تھے۔

اس حیدرآبادی فوج کا تعلق کسی معاہدے سے نہ تھا اور نظام کے ساتھ بغیر کسی منصفانہ طریقہ کے اس کا قیام عمل میں آیا تھا جیسا کہ مراسلہ ڈایرکٹران مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۱۴ء سے پتہ ملتا ہے اس مکتوب کے دوران مضمون میں وہ لکھتے ہیں:—

"یہ بیان کرنا غیر ضروری ہے کہ از روئے معاہدہ ہمارے حق کا خیال کرتے ہوئے نظام سے یہ مطالبہ کرنا کہ ۸ ہزار باقاعدہ سپاہیوں کا ایک دستہ قایم کیا جائے ——— وہ اس رائے کے خلاف ہے جس کی تجویز پیش کی گئی ہے اور جس کو حکومت ہند اور خود ہم کارگر بنایا ہے سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ سنہ ۱۸۰۰ کی دفعہ ۱۲ میں ۱۵ ہزار سپاہیوں کی فوج کا عہد و پیمان ہوا تھا۔ جو امدادی فوج کے ساتھ اور صرف زمانہ جنگ میں کام کرتی اور یہ ناقابل گزیر طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ نظام کے اخراجات سے اس فوج کا انتظام ہمیشہ برطانی افسر کے تحت ہوگا۔ نظام کے خاص ریاست کے اندر داخلی خدمات کے لیے حکومت کو ہم معاہدہ نہیں کرتی ہے"

اب ہم اس امر پر خود غور کریں گے کہ آیا نظام نے درحقیقت حکومت برطانیہ سے ۱۸۵۳ء میں یا اس کے پہلے کچھ رقم قرض لی تھی کرنل ڈلوڈیکسن جو ۱۸۵۳ء میں اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ۱۸۶۰ء میں لکھتے ہیں "میری ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ دونوں حکومتوں (نظام اور برطانیہ) کے زرنقد کے مطالبات پر غیر جنبہ داری کے طور پر بحث کرلی گئی اور نظام کے خلاف ۴۸ لاکھ کے قرض کا دعویٰ مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ ہز ہائینس کے وزیر نے ایک خط مورخہ ۱۹ اگست ۱۸۵۱ء میں جبکہ وہ حیدرآبادی فوج کی سالانہ رقم کی ادائی کے لیے مجبور کیے گئے سکندرآباد اور جالنا کے آبکاری کے زاید محاصل کا مطالبہ کیا جو کسی گزشتہ تاریخ میں حیدرآباد کے جائز محصول کا ایک جز قرار دیا گیا تھا ۱۸۱۲ء سے ۱۸۵۳ء تک یعنی ۴۱ سال ان محاصل کو جس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپیہ تھی ہم نے اپنے قرض میں لے لیا جس قرض کے ہم مدعی تھے اس کے خلاف ۴۱ لاکھ روپیہ بلا سود وہ نظام کو دینے کے بجائے ہم نے نظام سے حیدرآبادی فوج کی تنخواہ کے لیے ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۳ء تک سود بشرح ۶ فی صدی وصول کیا اور جس کا سود ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہوتا تھا۔ حالانکہ سود کی ادائیگی کے خلاف نظام نے پر زور احتجاج کیا"

یہی نہیں نظام نے برطانیہ سے کچھ بھی قرض نہیں لیا تھا۔ برخلاف اس کے ایک کثیر رقم انہوں نے نظام پر قرض ڈال دیا۔ یاد ہوگا کہ ۱۷۹۸ء میں جب یہ امدادی فوج قایم کی گئی تھی اور ۱۸۰۰ء میں اس کے قیام کے لیے اضلاع بلاری اور کڈاپا سپرد کردئے گئے تھے اور پھر بھی کے ذریعہ ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ لیا گیا حالانکہ ابتدا میں جیسے کہ انتظام کیا گیا تھا۔ اس امدادی فوج کے اخراجات ۲۴۱۷۱۰۰ روپیہ تھے۔ میجر مور سے ممبر کورٹ آف ڈایرکٹرس اپنے ایک خط مورخہ ۷ نومبر ۱۸۵۳ء میں "۱۸۰۰ء میں نظام کے ساتھ ہمارا معاہدہ جو ریاست حیدرآباد سے موجودہ سیاسی تعلقات کی تشکیل کرتا ہے اسمیں یہ عہد و پیمان ہوا تھا کہ ایک ہزار پیدل سوار کی رجمنٹ دو سوار کی رجمنٹ سے معہ ضروری توپوں کے جنکی کل تعداد تمام اقسام کے اسلحہ جات کے ۹۵۰۰ آدمیوں کے قریب ہوئی ہے علاقہ کے اندر انکی حفاظت وغیرہ کے لیے ثابت قدم رہیں گے اور یہ کہ اس فوج کی ادائی کے لیے دواب کا علاقہ حوالہ کردیں جس کی آمدنی تقریباً ۶۳ لاکھ تھی دونوں جماعتوں نے اس باعزت معاملہ کو اس طرح تکمیل کیا کہ نظام نے وجہی طور پر ہمکو علاقہ جات حوالہ کردے ہم نے پیدل فوج میں ایک ہزار سے ۵۰۰ تک اور سواروں کے ہر دستہ میں ۵۰۰ سے ۴۰۰ تک کے امدادی فوج کی قوت میں تخفیف کردی ہے . . . . .

- - - - - - - - - - - -

ہماری ان فوجوں کی تعداد میں جو گزشتہ ۴۰ برس سے حیدرآباد کے علاقہ میں رہی ہیں وہ اس تعداد کے بہ نسبت جس کا ہم نے ٹھیکہ لیا تھا۔ اس سے کچھ سے بھی زیادہ کم رہی ہے اور انکی تنخواہ ہمکو پیشگی وصول ہو گئی تھی اس لیے دونوں معاملات میں ہم کو بہت زیادہ منافع ہوتا رہا ہے کیونکہ اگر جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ ان حوالہ شدہ اضلاع کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہے اور فوج کی تنخواہ میں (تعداد کی تخفیف سے) کمی ہو گئی ہے تو نفع کا توازن ہمارے بہت زیادہ موافق ہونا چاہئے جب ۱۸۰۰ء کا معاہدہ ہوا تھا تو ایک سیاسی جماعت کی شکل میں ہم تاجر تھے لیکن اب ہم نے اپنا پہلا طریقہ ترک کردیا اور ہم اپنے کو ہندوستان کا اقتدار اعلیٰ پکار" چنانچہ اب اس معاملہ پر غائر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے لیے زیادہ وسیع اور آزادانہ نگاہ اختیار کرتے ہیں اس ٹھیکہ کی مناسب تکمیل میں ہم کس حجت سے قایل ہو سکتے ہیں اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو کیا ہم اس امر کے پابند نہیں کہ جو کچھ ہمکو ملا ہے اور ہم نے اسکو پیدا نہیں کیا ہے ہم نظام کو اسکا حساب دیں" میرا خیال ہے کہ اس موضوع میں، یہ دکھلانے کے لیے ہم نے کافی بحث کی ہے کہ عدم استرداد کے لیے جو مباحثے ہوں گے وہ مضر اور نامناسب ہونگے اور یہ کہ اس معاملہ میں اہل برار کو بہت زیادہ معلومات حاصل ہوتی گئے۔

دارالسلطنت حیدرآباد کی کامیاب دی کامینا لمیٹڈ کمپنی

جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں

اپنے نفع بخش چالو کاروبار اور کامیاب طریقہ تجارت کی بنا پر

دوسرے قدیم اور دیرینہ کمپنیوں کے مقابلہ میں اپنا پہلا اور دوسرا سالانہ منافع آٹھ فیصدی تقسیم کیا ہے اسکے ڈائرکٹر ممبرس ملک کے ممتاز متمول اور تجارتی ماہر فن اصحاب ہیں

دی مہاویر فوٹو پلیز انڈ تھیٹرس لمیٹڈ حیدرآباد دکن

صدر دفتر:۔ بلوٹین بلڈنگ سکندرآباد دکن

مینیجنگ ڈائرکٹر: مسرس زورآور مل موتی لال اینڈ سنس

حیدرآباد کا مشہور و عالیشان بولتا سینما گھر

دی اکسلیہ ٹاکیز

جس کی شاندار عمارت اپنا جواب نہیں رکھتی اور جو اعلیٰ درجہ کے آرام دہ فرنیچر اور دیگر آرائشوں سے اچھی طرح سجایا اور آراستہ کیا گیا ہے اسکی نہ صرف بیرونی شان و شوکت بلکہ اندرونی دلکشیوں و دلچسپیوں کو دیکھکر آپکا دل باغ باغ ہو جائیگا

خاموش اور ناطق فلمیں

یوروپ کی اعلیٰ ترین فلم کمپنیاں یونائیٹڈ، پیراماؤنٹ میٹرو گولڈن میئر فاکس، یونیورسل، کولمبیا برٹش کمپنی لندن اور ہندوستان کی مشہور فلم کمپنیاں امپیریل ساگر، رنجیت، کرشنا، وغیرہ کے خاموش اور بولتے فلم دکھانے میں جو امتیاز خصوصی اس سینما گھر کو حاصل ہے وہ آج کسی اور کو نصیب نہیں اگر آپ سینما کا حقیقی لطف اٹھانا چاہتے ہیں تو نوٹ فرما لیجیے:۔ "اکسلیر ٹاکیز"

اوہو یہی مجولی ہے!!

دکن مجالی جان نے منگوایا ہے کیسا خوبصورت اور پیارا پرچہ ہے [illegible] ہو گیا کیوں نہ ہو اعلیٰ حضرت حضور نظام نے بھی تو اسے پسند فرمایا ہے اور [illegible] ممکن ہے [illegible] اس شان سے پہنچی ہیں [illegible] ہے۔

کا شمارہ یہ شروع ہے اسکی خریدار ہوئی ہوں تو اسکی بہت سی [illegible] پہ آج کل کے [illegible] طرز کا یہی ہوگا کہ [illegible] طرز اور دلفریب سجاوٹ سب پر فوقیت لیگئی ہے۔

اسکے مضامین پر ایک ایک اشرفی [illegible] جا سکتی ہے [illegible] تصویر ہوتے ہیں تصاویر کا کیا کہنا یہ باتیں سارے ہندوستان میں کسی رسالہ کو حاصل نہیں [illegible] اور [illegible] ڈھونڈ ہی نہیں جو مجھے مل گیا۔

میں آج ہی [illegible] صاحبہ مجولی کو حیدرآباد خط بھیجتی ہوں کہ میرا نام مستقل خریداروں میں [illegible] اپنی سہیلیوں کو دکھا کر اپنے ذوق [illegible] کی داد لونگی [illegible] مجولی دیکھ کر وہ دنگ رہ جائینگی!!

ملک کا ممتاز [illegible]

برار نمبر

ینت اور ضرورت

کی تمام اشیاء

ل جنرل مرچنٹ کی دکان سے ہی خرید کر خوش اور مطمئن ہو سکتے ہیں

(کیونکہ)

(۲) قیمتیں کم سے کم منافع پر مقرر کیجاتی ہیں۔ (۳) کسی ناقص چیز کو کھپانے کیلئے کبھی دھوکہ نہیں دیا جاتا

(۴) خریداروں کے لئے ہر ... بسہولت بہم پہنچائی جاتی ہیں

انہی زریں اصولوں پر کام کیا جاتا ہے

اپنے اسباب ہمارے یہاں سے خریدیے

جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ حیدرآباد دکن

مان اینڈ سنس آکشنرز

آٹوموبائل انجنیرز

۱/۱۴۱ آکسفورڈ اسٹریٹ اسٹاکسٹ آف آل موٹر پارٹس



عثمانیہ ... نگ کمپنی ... سٹریٹ سکندرآباد دکن

روزنامہ صبح دکن کا

بیس برس تک کے سوزاک و قرحہ کے مایوس العلاج

جو لمبی چوڑی تعریف والی ولایتی اور ہندوستانی اشتہاری
دوائیں اور بلدہ کے نامور وید اور حکیموں کے اور ڈاکٹروں کے علاج
اور درجنوں انجکشن لینے کے باوجود برسوں میں بھی
اچھے نہ ہوئے تھے ادویات ذیل سے دو ہفتوں میں صحتیاب ہو گئے

تریاق سوزاک ایک خوراک سے جلن کم چند روز میں مواد رقیق و قلیل اور ایک ہفتہ میں مرض دور کرتا ہے

اکسیر قرحہ مقامی استعمال سے چند روز میں زخم مندمل کر کے کچی سطح مضبوط کرتی ہے تا کہ دوبارہ تڑکنے نہ پائے کلی صحت کے لیے دونوں ایک ساتھ لازمی ہیں

قیمت فی شیشی درجہ اول ۸/ درجہ اعلیٰ ۵ روپیہ

اگر زمانہ بھر کے منگھڑت شاہی طلاؤں برقی آلہ سے

جان و مال کا نقصان اٹھا کر زندہ درگور ہو تو

خود اکر طلاء شباب اور کوسفت آزما لو تا کہ

یقین ہو جائے کہ اس کا ثانی نہ کوئی طلاء ہے نہ برقی آلہ
جو برسوں کے مایوس العلاج پیر و جوان کو قابل فخر جواں مرد بنا کر
لطف شباب دکھاتا ہے آبلہ و بثور نہیں کرتا و نیز
ہاتھ پاؤں و لطف حصہ جسم و چہرہ و زبان کے فالج کو دور کرتا ہے
بحالت جریان و احتلام اول شربت جانفزا و حبوب جریان
قیمت فی شیشہ درجہ اول ۸/ درجہ اعلیٰ ۵ اور درجہ خاص ۱۰

تریاق سوزاک ایک خوراک سے جلن کم چند روز میں مواد قلیل و رقیق اور ایک ہفتہ میں مرض دور کرتا ہے،

اکسیر قرحہ مقامی استعمال سے چند روز میں زخم مندمل کر کے کچی سطح مضبوط کرتی ہے تا کہ دوبارہ تڑکنے نہ پائے کلی صحت کے لیے دونوں ایک ساتھ لازمی ہیں

اگر زمانہ بھر کے منگھڑت شاہی طلاؤں برقی آلہ سے

جان و مال کا نقصان اٹھا کر زندہ درگور ہو تو

خود اکر طلاء شباب اور کوسفت آزما لو تا کہ

یقین ہو جائے کہ اسکا ثانی نہ کوئی طلاء ہے نہ برقی آلہ
جو برسوں کے مایوس العلاج پیر و جوان کو قابل فخر جواں مرد بنا کر
لطف شباب دکھاتا ہے آبلہ و بثور نہیں کرتا و نیز
ہاتھ پاؤں اور لطف حصہ جسم و چہرہ و زبان کے فالج کو دور کرتا ہے
بحالت جریان و احتلام اول شربت جانفزا و حبوب جریان
قیمت فی شیشی درجہ اول ۸/ درجہ اعلیٰ ۵ اور درجہ خاص ۱۰

پتہ ڈاکٹر نبی بخش ریٹائرڈ میڈیکل افسر روبرو دفتر ٹیلیفون حیدرآباد

... ہر نوروز ...
گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں ارسال
ارشاد ہوا ہے کہ ہز اکسلنسی گورنر
اپنے پہنچاؤں ۔ دستخط از ذیل

نقل بتصدیق عالیہ

وزیر ...
ترجمہ :۔ ڈاکٹر نبی بخش
میں بھیجا تھا اور بعض
...
بیمار
چند
جواہر
دیکھا
الجبرا
سوال
نہ مانا
علاج
سابق
تندرست دیکھ کر
جواہر نور العین نے
ملیم اگر آپ نزدیک
کہ جس نے اسکو تیار کیا۔
جواہر نور العین کی تاثیر
مجبور کرتی ہے
معلوم نہیں
میرے ایک عزیز
نہایتی جناب کا
اب دس تیدہ ...
دستخط عبداللطیف

آپریشن سے جو کو کرے وہ

میرا بھائی ڈیڑھ سال سے کوکرو کی لاچار
کے علاج سے فائدہ نہ ہوا تو جنرل ہسپتال ر
کرایا۔ کرنل پیری صاحب نے آپریشن کیا ایک ماہ تک
پھر تکلیف شروع ہوئی تب ڈاکٹر مسترڈ ہاس کے پاس
زیر علاج رہا مگر فائدہ نہ ہوا تب ڈاکٹر نبی بخش صاحب
نور العین نمبر ۵ درجہ خاص سے بالکل آرام ہوا۔
دستخط عبدالرحیم چکیری ماسٹر انارکلی لاہور۔